پروفیسر سید مطلوب علی زیدی مطلوب

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

اقبال اور مدحتِ آلِ عبا اطہار علیہم السلام

پروفیسر سید مطلوب علی زیدی، مطلوب

ریسرچ سکالر برائے پی ایچ ڈی، انگریزی
یونیورسٹی آف پلائی ماؤتھ، ایکس متھ (انگلینڈ)

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ۔ پبلشرز

لاہور ٥ حیدرآباد ٥ کراچی

نام کتاب	اقبال اور مدحتِ آلِ عبا اطہار علیہم السلام
موضوع	تاریخ و ادب
مصنف	سید مطلوب علی زیدی
اشاعتِ اول	۱۹۹۵ء
مطبع	غلام علی پرنٹرز
	اشرفیہ پارک ۔ فیروز پور روڈ ۔ لاہور
کمپیوٹر کمپوزنگ	شہزاد سپر کمپوزنگ ۔ سیٹلائیٹ ٹاؤن ۔ بہاولپور
مقامِ اشاعت	شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز
	۱۹۹ ۔ سرکلر روڈ ۔ چوک انارکلی ۔ لاہور ۔ ۲
	(پوسٹ کوڈ نمبر ۵۴۰۰۰)

::*:*:*:*:*:*:*:*:*:*

قیمت .... روپے

::*:*:*:*:*:*:*:*:*:*

انتساب

میں اپنی اس ادنیٰ کاوش کو

اپنے آقا

سید الشہداء، فرزندِ رسولؐ جگر گوشہ علیؑ و بتولؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام

کے نام نامی و اسم گرامی سے

معنون کرنے کا اعزاز حاصل کرتا ہوں

کیوں نہ ہو مطلوب نازاں اپنی قسمت پر، حسینؑ

جب ہے نسبت تجھ سے، اے سردارِ جنت السلام

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلِ بیتؑ
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدرؑ مجھے

(اقبال)

فہرست عنوانات

پیش لفظ

پروفیسر سید مطلوب علی زیدی کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے ہے جو مال و زر اور دولت دنیا کے حوالے سے نہ ہی لیکن علم و فضل اور "ان اکرمکم عنداللہ اتقکم" کے حوالے سے تکریم کا ضرور مستحق ہے۔ اس گھرانے کے تقریباً سبھی افراد کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور دینداری کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے۔ جہاں تک علم و فضل کا تعلق ہے تو مطلوب زیدی کے والد محترم سید محبوب علی زیدی نے بطور پروفیسر اور پرنسپل ایک عرصے تک قومی زبان اردو کی خدمت انجام دی ہے اور "اقبال اور حب اہل بیت اطہارؑ" کے عنوان سے نثر میں ایک لائق اعتناء کتاب تصنیف کی ہے۔ مطلوب زیدی کے چچا سید شوکت علی زیدی بہاولپور کے ایک نہایت ہی اہم تعلیمی ادارے "مدینۃ العلم پبلک سکول" کے سربراہ ہیں اور جدید علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کو نئی نسل تک پہنچانے میں بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مطلوب صاحب کے دوسرے چچا پروفیسر سید دولت علی زیدی (ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی) بہاولپور کی قدیم اور مشہور درسگاہ گورنمنٹ ایس ای کالج کے سربراہ کے طور پر بڑے ماہرانہ انداز میں علم و فضل کے فروغ کی سعی مشکور کر رہے ہیں۔ اسی طرح مطلوب زیدی صاحب کے ایک اور چچا سید منسوب علی زیدی چیف انجینئر آبپاشی کی حیثیت میں وطن عزیز کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اس گھرانے کا انکسار کے

اوصاف سے متصف ہے۔ اسی باعث "باادب بانصیب" کے مشہور مقولے کے مصداق اللہ تعالیٰ نے اس گھرانے کو بانصیب بنایا ہے۔ دنیاوی طور پر اعلیٰ عہدوں پر سرفراز رہنے کے ساتھ ساتھ اس خاندان کے افراد دینی اور اسلامی لحاظ سے بھی اعلیٰ قدروں کے پاسدار ہیں۔

سید محبوب علی زیدی نے اپنی اولاد کی کچھ ایسے انداز سے تربیت کی ہے جو آج کے دور میں بہت سوں کے لیے قابل رشک ہے۔ آج جبکہ ہر طرف Generation Gap کا رونا رویا جا رہا ہے اور نئی نسل پرانی نسل کے حضور وہ نذرانۂ عقیدت و احترام پیش نہیں کر رہی جو اس کا فرض بنتا ہے، زیدی صاحب کے گھرانے کا ہر فرد نہ صرف اپنے گھرانے کے بڑوں اور بزرگوں کا احترام کرتا ہے بلکہ معاشرے میں ہر شخص سے بڑی نیازمندی سے پیش آتا ہے۔ اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں سید محبوب علی زیدی کی یہ کاوش ایک روشن مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔

محبوب علی زیدی صاحب کے اسی فیضان نظر نے اپنے فرزند ارجمند سید مطلوب علی زیدی کو کندن بنا دیا ہے۔ مطلوب صاحب انتہائی بااخلاق، باادب، منکسر المزاج اور دوسروں کا احترام کرنے والے انسان ہیں۔ اسی تربیت کا اثر ہے کہ پہلی جماعت سے لے کر ایم اے تک مطلوب صاحب نے ہر جماعت میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ انتہائی لائق و فائق انسان ہیں۔ اسی باعث حکومتِ پاکستان نے انھیں وظیفے سے نوازا اور وہ آج کل انگلستان میں انگریزی میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ لیکن اس انگریزی تعلیم کے باوجود وہ اپنے مذہب سے بیگانہ نہیں رہے اور انھوں نے ایکس متھ، پلائی ماؤتھ (انگلستان) میں رہتے ہوئے زیر نظر کتاب تصنیف کی ہے جو ایک بہت بڑی وقیع کاوش ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت ہر مسلمان کے ایمان کا ایک جزو لاینفک ہے۔ اللہ تعالیٰ عزاسمہ نے سید

محبوب علی زیدی کے خاندان کو بھی اس محبت سے سرفراز فرمایا ہے ۔ اور ان کے فرزند نے پیغمبر آخرالزماں اور اہل بیتؑ سے اپنی محبت کے اظہار کے طور پر ایک ایسا علمی، تحقیقی اور دینی کارنامہ انجام دیا ہے جو ہر طرح سے لائق تحسین ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال کے کلام میں بڑی وسعت ہے ۔ لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شاعری میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور انسانیت کی معراج یہی ہے کہ رسول پاک کے اسوہ حسنہ کو اپنا لیا جائے ۔ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اقبال کا سر عقیدت سے خم ہو جاتا ہے اور وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اور اس نام سے محبت کے باعث اہل بیتِ اطہار کی محبت بھی اقبال کی رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے اور وہ اپنے کلام میں جگہ جگہ انھیں خراج عقیدت و احترام پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ مثلاً دیکھیے کہ عشق کے روپ میں وہ کتنے والہانہ انداز میں صبر حسین کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

" اقبال اور مدحتِ آل عبا اطہار علیہم السلام " میں سید مطلوب علی نے قرآن و حدیث اور کتبِ سیر اور دیگر دینی کتب کے حوالوں سے رسول پاک اور اہل بیتؑ کی تاریخ کے ساتھ ان کے خصوصی فضائل کا ذکر کیا ہے ۔ نیز مدحتِ

اہل بیتؑ کے سلسلے میں علامہ اقبال کے فارسی کلام کا منظوم ترجمہ بھی پیش کیا ہے ۔ اشعار کا منظوم ترجمہ کرنا کس قدر مشکل اور جان جوکھم کا کام ہے ، اس کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب میں نے انگریزی کی مشہور نظموں کا منظوم ترجمہ کرنے کا آغاز کیا جو بعد میں میری کتاب "آواز کے سائے" میں شائع ہوا ۔ منظوم ترجمہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں ہوتا ۔ اس کے لیے پہلے شاعر کو غزل اور نظم کی تخلیق میں مہارت حاصل کرنی پڑتی ہے پھر اس کے بعد کہیں جا کے وہ منظوم ترجمہ کرنے کا اہل ہو سکتا ہے ۔ سید مطلوب علی زیدی چونکہ غزل اور نظم کے بھی شاعر ہیں ، اس لیے وہ اس اوگھٹ گھاٹی سے بھی آسانی سے گزرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں ۔ انھوں نے علامہ اقبال کے فارسی کلام کا منظوم ترجمہ کافی دلنشیں انداز میں کیا ہے ۔ بعض جگہ تو انھوں نے شاعر کے قریب رہتے ہوئے بڑی سادگی اور پرکاری کے ساتھ فارسی اشعار کو اردو کا پیرہن عطا کیا ہے جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں ۔

میں اس کتاب کے بارے میں مزید تفصیل میں نہیں جانا چاہتا ، کیونکہ

مشک آنست کہ خود ببوید ۔ نہ کہ عطار بگوید

صرف اتنا عرض کروں گا کہ اس کی اشاعت سے سید مطلوب علی زیدی نے اردو کی خدمت کے ساتھ ساتھ اپنے لیے توشۂ آخرت جمع کر لیا ہے ۔ امید ہے کہ ان کی یہ کاوش علمی و ادبی حلقوں میں خاطر خواہ پذیرائی حاصل کرے گی اور اقبالیات کے شعبے میں ایک گراں بہا اضافہ ثابت ہوگی ۔

۵۹ ۔ بی ، سیٹلائیٹ ٹاؤن بہاولپور

۲۱ اپریل ۱۹۹۵ء

پروفیسر سہیل اختر

سخنے چند

عشق رسول اور حب اہل بیت ــــ اقبال کی شاعری کے دو اہم موضوعات ہیں ۔ حب اہل بیت اطہار کے بیان میں عقیدت و ارادت کا جو نذرانہ اقبال نے پیش کیا ہے وہ بہت کم شعرا کے حصے میں آیا ہے ۔ اقبال کی شاعری کے اس موضوع پر بہت سے اہل قلم نے طبع آزمائی کی ہے ۔ اس سلسلے میں پروفیسر سید محبوب علی زیدی صاحب کی کتاب "اقبال اور حب اہل بیت اطہار" کو علمی حلقوں میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی ۔ اس کتاب میں زیدی صاحب نے اپنے موضوع کی تائید میں اقبال کے بے شمار فارسی اردو اشعار نقل کئے ہیں ۔

زیدی صاحب کے فرزند ارجمند سید مطلوب علی زیدی نے اپنے والد کے اسی کام کو آگے بڑھایا ہے ۔ ان کی کتاب "اقبال اور مدحت آل عبا" کو "اقبال اور حب اہل بیت اطہار" ہی کا تسلسل کہا جا سکتا ہے ۔ مطلوب زیدی نے اپنی کتاب میں اس موضوع پر اقبال کے فارسی اشعار کا منظوم اردو ترجمہ کیا ہے ۔ اس کے علاوہ مفید تحقیقی تعلیقات کا اضافہ کیا ہے ۔ مطلوب صاحب انگریزی ادبیات کے استاد ہیں ۔ ادب کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اور آج کل انگلستان کی کسی یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اور آداب تحقیق سے پوری طرح آگاہ ہیں ۔

فارسی کسی زمانے میں برصغیر میں مسلمانوں کی عظمت و سطوت کا نشان تھی ۔ ان کے سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ یہ اقبال مند زبان بھی رو بہ انحطاط ہوئی اور آج حالت یہ ہے کہ ہمارے کتابخانے فارسی کتب سے بھرے پڑے ہیں لیکن

ان کو پڑھنے والے آہستہ آہستہ ناپید ہوتے جا رہے ہیں ۔ اقبال کی شاعری نے ملتِ اسلامیہ کو ایک نیا ولولہ دیا اور وہ آج بھی یہ ولولہ دے سکتی ہے ۔ لیکن ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ فارسی کا ذوق عام نہ ہونے کی وجہ سے ہم اقبال کی اردو شاعری سے عموماً اور فارسی شاعری کے فیوض سے خصوصاً محروم ہوتے جا رہے ہیں ۔ ان حالات میں مطلوب صاحب کا ترجمہ، خواہ وہ ایک مخصوص موضوع کے فارسی اشعار تک محدود ہے، غنیمت معلوم ہوتا ہے ۔ اگرچہ ترجمے کو شعر کا دشمن خیال کیا جاتا ہے اور ترجمے میں اصل شعر کی خوبیوں کو منتقل کرنا بے حد مشکل ہے لیکن کہیں کہیں اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے ۔ اس لیے مطلوب صاحب کی اس کاوش کو ایک مفید خدمت قرار دیا جا سکتا ہے ۔ تعلیقات سے کتاب کی علمی وقعت اور افادیت میں اضافہ ہوا ہے ۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شبلی

ریٹائرڈ ڈین آف آرٹس فیکلٹی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حمد و ثنا مخصوص ہے صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے، کہ جس ذات ستودہ صفات نے لفظ "کن" ارشاد فرما کر کائنات کو خلق کیا۔ اس وسیع کائنات میں لاتعداد کہکشائیں ہیں، جن میں بے شمار نظام شمسی قائم و دائم ہیں۔ ان بے شمار نظام ہائے شمسی میں سے ایک ہمارا نظام شمسی ہے۔ اس شمسی نظام میں مریخ، مشتری، عطارد، زحل اور زمین قابل ذکر ہیں۔ زمانہ حال تک کی تحقیق نے صرف یہ بتایا ہے کہ انسانی آبادی صرف زمین پر ہی ہے۔ باقی سیارے ذی روح مخلوق سے محروم ہیں۔ ان سیاروں کے ساتھ ذیلی سیارے بھی ہیں جو ان کے ساتھ چاند قرار دئے گئے ہیں اور سورج کی روشنی کو منعکس کرکے راتوں کے اندھیرے میں انھیں ٹھنڈی روشنی فراہم کرکے منور کرتے ہیں۔ ہماری زمین کے ساتھ بھی ایک ذیلی سیارہ "چاند" ہے، جو زمین کی سطح کو شب کی تاریکی میں روشن کرتا ہے اس کی ٹھنڈی ٹھنڈی اور خوشگوار روشنی انسان کے جسم کو تازگی اور روح کو تسکین عطا کرتی ہے۔ نظام شمسی کے تمام سیارے جہاں اپنے محور پر گھوم رہے ہیں وہاں وہ سورج کے گرد بھی ایک خاص رفتار سے رواں دواں ہیں۔ سورج اور زمین

ی باہمی کشش اور گردش جہاں اس کرۂ ارض پر روز و شب کی خالق ہے وہاں سرما خزاں، بہار، گرما اور برسات کے ظہور کا سبب بھی ہے۔ اور یہی انسانی زندگی کی بقا، راحت و سکون اور گہما گہمی کا باعث ہے۔

خالق کائنات نے انسان کو خلق فرمایا، مسجود ملائک بنایا اور اشرف المخلوقات قرار دیا۔ عہد الست کی یاددہانی کے لیے انبیاء کرام اور پیغمبران عظام مبعوث فرمائے۔ دین اسلام کی ترویج کا انتظام فرمایا۔ اور ختمی مرتبت، رحمۃ اللعالمین سیدنا مولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر پر مبعوث فرمایا۔ قرآن مجید کا نزول ہوا۔ اوامر و نواہی سے آگاہ کیا گیا اور ایمان لانے والوں کو حکم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رسی (اسلام) کو مضبوطی سے تھام لیں اور فرقہ در فرقہ ہونے کی راہ اختیار نہ کریں۔ آنحضرت کی برکت سے اور آیات قرآنی کی تلاوت و تفسیر سے آپ کی حیات طیبہ میں، ایمان لانے والوں کا تزکیہ نفس ہوا۔ ان میں یکجہتی اور اتفاق یہاں تک پیدا ہوا کہ صرف دس گیارہ سال کے قلیل عرصے میں جزیرہ نمائے عرب کی کایا پلٹ گئی اور پورا عرب اسلام کے جھنڈے تلے اسلام کا قلعہ بن گیا۔ عرب کا یہ نخلستان خوب پھلا پھولا اور وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس وقت کی آباد اور متمدن دنیا کا بہت بڑا حصہ علم و حکمت، صداقت و عدالت اور انسانیت کی گرانمایہ اقدار سے بہرہ ور، مستفیض، مستفید اور منور ہوا۔

قاعدہ گردش روزگار ہے کہ ہر کمال زوال سے ہمکنار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ خیر الامم اور امت وسطیٰ بھی فرقہ بندی کا شکار ہو گئی اور موجودہ زمانے تک تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ یہ قوت قاہرہ اور طاقت واحدہ پارہ پارہ ہو کر مثالی ضعف کی علامت بن گئی ہے۔ یہی بے مائیگی حکومت کے زوال اور محکومیت کے قیام کا سبب بنی۔ چنانچہ فی زماننا پوری دنیا میں مقہور، مظلوم اور محکوم اگر کوئی ہے تو وہ امت مسلمہ ہی ہے۔ خون مسلم جتنا ارزاں آج ہے، پہلے کبھی نہ تھا۔

رواں صدی عیسوی ہی کی بات ہے کہ اولاً پہلی اور دوسری عالمی جنگوں میں ترکی، عراق، شام، لبنان، عرب، لیبیا، مصر، ملائشیا اور ہندوستان کے مسلمان بری طرح متاثر ہوئے اور لاکھوں کی تعداد میں ان کی بھینٹ چڑھے۔ بعدہ تقسیم ہند کے موقع پر مسلمانوں کے خون کی ندیاں رواں ہوئیں۔ فلسطین میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا اور اب تک جاری ہے۔ افغانستان میں تقریباً پندرہ سال سے مسلم خون متواتر بہہ رہا ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کب تک بہے۔ بوسینیا میں تین سال سے مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ عراق کے ایران پر حملے نے لاکھوں مسلمانوں کو خون میں نہلا دیا۔ اس کی کویت پر چڑھائی نے ہزاروں عرب مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ صومالیہ میں بھی مسلمانوں کا ہی خون بہا۔ برما میں مسلمان ہی مارے گئے۔ سقوط ڈھاکہ ہزاروں مسلمانوں کو نگل گیا۔ الجزائر اور مصر میں مسلم حکومتیں متقی مسلمانوں کو بنیاد پرست قرار دے کر چن چن کر قتل کر رہی ہیں۔ ہندوستان میں ہر سال مختلف اوقات میں باقاعدگی سے مسلم خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ اور تو اور خود ہمارے پاکستان میں بھی مسلمانوں کی جانیں محفوظ نہیں ہیں۔ کہیں فرقہ بندی کے عفریت کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں تو کہیں ڈاکوؤں اور تخریب کاروں کا شکار ہو رہی ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق موجودہ رواں ربع صدی میں کم از کم ایک کروڑ مسلمان اپنی جانیں کھو چکے ہیں۔

سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی تھی اور مسلمانوں کو وصیت کی تھی کہ ان کے خون، ان کے مال اور ان کی عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ افسوس، صد افسوس کہ ہم نے رسول کریم کی اس قابل قدر وصیت کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور اس حرمت کو حلت قرار دے لیا ہے۔ درحقیقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے حق میں دعا کا اثر ہی ہے کہ ہم پر سابقہ امم کی طرح عذاب الٰہی نازل نہیں ہو رہا۔ ورنہ ہم نے اللہ تبارک و

تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی کو ترک کرکے اپنی جانوں کو بد ترین عذاب کا حقدار ثابت کر دیا ہے۔

حکیم الامت، مفکر مشرق اور شاعر بے بدل، علامہ اقبال نے امت مسلمہ کی حالت زار کا نقشہ ماہرانہ انداز سے کھینچتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟
کون ہے تارک آئین رسول مختار؟
مصلحت وقت کی ہے، کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار؟
ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں!
کچھ بھی پیغام محمد کا تمھیں پاس نہیں!

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

علامہ اقبال کا بھی یہی خیال ہے کہ ہم نے اللہ، رسول اور قرآن کو چھوڑ دیا ہے اور ہم اپنے نفس کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہر ایک "اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ" کا مصداق بن کر رہ گیا ہے۔

حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت غدیر خم کے مقام پر ختمی مرتبت نے خطبہ

ارشاد فرمایا اور کہا:

"حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت آ جائے) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک، خدا کی کتاب، جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری، اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

آخری جملے کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔(*)

(*) صحیح مسلم (باب مناقب علی)، ترمذی شریف، نسائی، مسند امام احمد، مسند حاکم وغیرہ۔ نیز سیرت النبی از شبلی نعمانی، حصہ اول، صفحہ ۱۶۸۔ طبع پنجم بحوالہ صحاح ستہ۔

اس گراں قدر خطبے کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قرآن کریم پر عمل کرنے اور اہل بیت (آل عبا) سے محبت کا حکم دیا ہے۔ حکیم الامت، شاعر مشرق علامہ اقبال نے اپنے کلام بلاغت نظام میں جہاں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیا ہے وہاں حب اہل بیت اطہار (آل عبا) کو بھی اس کا جزو لاینفک قرار دیا ہے۔ آپ نے مستقل عنوانات کے تحت آل عبا کے قصیدے لکھے ہیں۔ ان قصائد کا ایک ایک شعر بعض دوسرے شعراء کے لکھے ہوئے طول و طویل قصیدوں پر غالب ہے۔

درحقیقت آل عبا کی محبت ہی ایک مسلمان کی راہنمائی اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کی طرف کرتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اقبال نے اپنے قصائد سے اپنے لیے عقبیٰ کا اثاثہ خرید ا۔

جس طرح "اہل بیت اطہار" کی ترکیب "پنج تن" مقدس حضرات یعنی حضرت محمدؐ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، اور حضرت حسینؓ کے لیے مستعمل ہے

بالکل اسی طرح "آل عبا" کی ترکیب بھی انھی نفوس مقدسہ کے لیے وضع ہوئی ہے
چنانچہ تفسیر حسینی میں بحوالہ عین المعانی مرقوم ہے:

"آل العباد رسول اللہ وابنتہ، والمرتضی ثم سبطاہ اذا جمعوا۔

یعنی آل عبا بریں پنج تن اطلاق می کنند۔

میرے والد گرامی سید محبوب علی زیدی دام ظلہ نے اپنی کتاب "اقبال اور حب اہل بیت اطہار" لکھ کر جہاں اقبال کی ترجمانی کی وہاں اقبالیات کے اثاثے میں بھی قابل قدر اضافہ کیا۔ آپ سے قبل کسی ادیب و ناقد نے اقبال کی عقیدت کے اس پہلو کو اجاگر نہیں کیا تھا۔ راقم الحروف کا چند سال سے ارادہ تھا کہ اقبال کے آل عبا (اہل بیت) کی مدحت میں کہے ہوئے فارسی کلام کا اردو زبان میں منظوم ترجمہ کروں تاکہ فارسی زبان سے نابلد قارئین کے لیے جہاں حصول ثواب کا ذریعہ مہیا کروں وہاں ان کی طبائع کے لیے چاشنی بھی فراہم کر سکوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے خصوصی فضل و کرم سے کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

فارسی نثر سے اردو نثر میں ترجمہ کرنا جتنا آسان ہے اتنا ہی فارسی نظم کا اردو نظم میں ترجمہ مشکل ہے۔ نظم میں قافیہ و ردیف کی پابندی لازمی ہے۔ فارسی اور اردو میں قافیے قریب قریب ایک ہی ہیں۔ اردو ترجمے میں متبادل قافیہ لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں جبکہ فارسی ردیف اور اردو ردیف شاذ و نادر ہی ایک ہو۔ وہ قطعی طور پر الگ ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی نظم کا منظوم اردو میں ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے۔ بات در حقیقت یہ ہے کہ ترجمے میں اصل شعر کا مفہوم اگر پورا نہیں تو کم از کم ایک بڑی حد تک ادا ہو جانا چاہیے۔ اگر اصل شعر کا مفہوم قطعی طور پر ادا نہ ہو تو اسے ترجمہ کیسے کہا جائے گا۔ منظوم ترجمے میں جہاں مفہوم پورا ادا کرنا ضروری ہے وہاں نظم کے مطلوبہ قوافی اور ردیف کا لایا جانا بھی

لابدی ہے۔ فارسی اشعار کا اردو اشعار میں لفظی ترجمہ تو ناممکنات سے ہے۔ چنانچہ انھی مشکلات کی بناء پر مجھے بدقت تمام اس مہم کو سر کرنے کے لیے لاتعداد اوگھٹ گھاٹیوں سے گزرنا پڑا۔ اپنی پوری کاوش کے بعد اب یہ معاملہ قارئین کرام کے سپرد ہے کہ وہ اسے کہاں تک کامیاب قرار دے کر کس حد تک محظوظ ہوتے ہیں

اقبال کے مدحتِ آل عبا میں کہے ہوئے اردو اشعار بھی گرانمایہ ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے قارئین ان سے لطف اندوز نہ ہوں۔ چنانچہ فارسی اشعار کے بعد اردو اشعار رقم کر دئے گئے ہیں تاکہ قارئین پوری طرح محظوظ ہو سکیں۔ اقبال کے اردو اشعار کے ہم مفہوم اور مترادف اشعار اردو میں کہنا یکے از ناممکنات ہے۔ چنانچہ اقبال کے اردو اشعار آخر میں لکھ دئے گئے ہیں تاکہ قارئین ان سے بھی محظوظ ہو سکیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ عزاسمہ کا خاص فضل و کرم ہے کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ قرآن کریم، احادیث شریف اور معروف علماء کی تصانیف کے حوالے سے ہی کیا ہے تاکہ معترضین کے لیے کسی اعتراض کی گنجائش ہی نہ رہے۔ میں نے یہی چاہا ہے کہ میرے قلم سے کسی مسلمان کے دل کو ٹھیس نہ پہنچے۔ حافظ شیرازی کی طرح میرا بھی یہی مسلک ہے کہ:

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

اگر اقوام عالم اس مسلک کو اپنا لیں تو دل امن و امان اور سکون قلب کی دولت سے مالا مال ہو جائیں اور یہ کرہ ارض خطہ جنت نظیر بن جائے۔

بارگاہ ایزدی میں عاجزانہ دعا ہے کہ وہ بزرگ و برتر اور اعلیٰ و ارفع ذاتِ ستودہ صفات میری اس ادبی کاوش کو قبول فرمائے اور مسلمان قاریوں کو جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ایزدی سے نوازے وہاں آل عبا (اہل

بیت اطہار) کی عقیدت گرانمایہ عطا فرمائے تاکہ ان کی آل عبا سے ولاء ان کی عقبیٰ میں کامیابی اور سرخروئی کا باعث ہو۔

آمین۔ ثم آمین۔ یارب العالمین!

محب آل عبا و بندہ باری تعالیٰ

بلائی ماؤتھ (انگلینڈ)

۱۸ دسمبر ۱۹۹۳ء

سید مطلوب علی زیدی مطلوب

تعارفِ اقبال

پس از من شعر من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مردے خود آگاہے

حکیم الامت، مفکر ملت، شاعر مشرق اور خود آگاہ مرد علامہ محمد اقبالؒ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو عالم ارواح سے مہماں سرائے دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کے والدِ گرامی کا نام نامی، اسم گرامی نور محمد تھا، جو نیک سیرت، بااخلاق اور حقی مسلمان تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی خوش خلق، نیک خو اور عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔ جنھوں نے بڑی توجہ سے علامہ صاحب کی پرورش و پرداخت کی۔

علامہ اقبالؒ نے پرانے رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ بعدہ مکتب میں زیرِ تعلیم رہے۔ وہاں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے شہر سیالکوٹ کے مشن ہائی سکول میں داخل ہو گئے۔ آپ بچپن ہی سے بڑے ہونہار اور ذہین تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امتحانات میں امتیازی حیثیت حاصل کرتے رہے۔ وہاں ایک قابل قدر استاد عربی کے پروفیسر تھے، جن کا اسم گرامی میر حسن تھا اور جو عربی و فارسی کے مایہ ناز عالمؒ تھے۔ علامہ اقبالؒ نے آپ سے کسبِ فیض کیا اور ان کی سرپرستی میں عربی و فارسی، ہر دو زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ آپ میں شعر و سخن کا ذوق سلیم بھی انھی کے فیضِ صحبت کا مرہون منت تھا۔ آپ کو اپنے استاد سے والہانہ محبت تھی۔ اپنے استادِ گرامی کے احسانات کا اعتراف علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

وہ شمع بارگہِ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو

نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو

مشن کالج سیالکوٹ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۸۹۹ء میں ایم اے فلسفہ کا امتحان امتیاز سے پاس کیا۔ اس امتیاز پر آپ کو طلائی تمغہ بھی ملا۔

گورنمنٹ کالج، لاہور میں آپ نے پروفیسر آرنلڈ سے خصوصی طور پر اکتساب فیض کیا۔ پروفیسر آرنلڈ بھی مولوی میر حسن کی طرح آپ پر مہربان تھے۔ پروفیسر آرنلڈ سے بھی آپ کو بڑی محبت تھی۔ چنانچہ جب ۱۹۰۴ء میں پروفیسر آرنلڈ انگلستان واپس چلے گئے تو آپ نے ان کی جدائی کو بہت محسوس کیا اور اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرنے کے لیے "نالہ فراق" کے عنوان سے ایک نظم لکھی اور ان کے فیضان صحبت کا اقرار کرتے ہوئے فرمایا:

تو کہاں ہے اے کلیم ذروہ سینائے علم!
تھی تری موج نفس باد نشاط افزائے علم
اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم!
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم
"شور لیلیٰ کو کہ باز آرائش سودا کند
خاک مجنوں را غبار خاطر صحرا کند"

تعلیم کے حصول سے فراغت کے بعد آپ نے اورینٹل کالج، لاہور میں بحیثیت پروفیسر ملازمت اختیار کر لی۔ بعدہ ملازمت ترک کر کے گورنمنٹ کالج، لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہو گئے۔ چندے وہاں ملازمت کی پھر ۱۹۰۵ء میں انگلستان کے لیے رخت سفر باندھا اور وہاں پہنچ کر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔ وہاں آپ نے کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ اخلاق کی ڈگری حاصل کی۔ "ایران میں فلسفہ مابعد الطبیعیات کا ارتقا۔" کے عنوان

سے مقالہ لکھ کر میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری پائی ۔ آپ نے اسی سہ سالہ قیام کے دوران بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا ۔

علامہ اقبال نے یورپ کے قیام سے بہت فائدہ اٹھایا ۔ وہاں کی تہذیب کا بغور مطالعہ کیا ۔ نیز یہ نئی تہذیب مشاہدے سے بھی گزری ۔ "ایران میں فلسفہ ما بعد الطبیعات" پر مقالہ لکھنے کے سلسلے میں آپ کو قرآن کریم ، کتب احادیث اور تصوف پر مختلف تصانیف کا بنظر غائر مطالعہ کرنا پڑا ۔ یہ مطالعہ آپ کے ذہن کو مشرقی خطوط پر استوار کرنے کا باعث ہوا ۔

علامہ اقبال ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو انگلستان سے واپس لاہور پہنچے اور دوبارہ گورنمنٹ کالج میں فلسفہ کے پروفیسر اعلیٰ کا عہدہ پایا ۔ تاہم یہ ملازمت آپ کو راس نہ آئی ۔ چنانچہ ڈیڑھ سال بعد وہاں سے سبکدوش ہو گئے اور بیرسٹری شروع کر دی ۔ سر اکبر حیدری نے ۱۹۱۷ء میں آپ کو حیدرآباد میں قانون کی پروفیسری کی پیشکش کی مگر آپ نے اسے قبول نہ فرمایا ۔ آپ نے ۱۹۲۶ء میں ملک کی سیاست میں عملی حصہ لینا شروع کیا اور مقابلہ جیت کر لیجسلیٹو کونسل کی ممبری حاصل کی ۔ آپ نے ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسے کی صدارت کی ۔ ۱۹۳۱ء میں انگلستان تشریف لے گئے اور دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی ۔ بعدہ ۱۹۳۲ء میں بار دیگر تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے انگلستان تشریف لے گئے ۔ ۱۹۳۳ء میں آپ کو نادر شاہ نے افغانستان مدعو کیا اور آپ وہاں تشریف لے گئے ۔ ۱۹۳۵ء میں آپ صوبائی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے ۔ مگر کما حقہ خدمت سرانجام نہ دے سکے اور علیل ہو گئے ۔ آپ کو حج بیت اللہ کی آرزو عرصہ دراز سے تھی ۔ مگر وہ پوری نہ ہو سکی اور آپ اس آرزو کو دل میں لیے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف مراجعت کر گئے ۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کو شاہی مسجد کے بیرونی باغ میں دفن کیا گیا ۔ انتقال سے چند منٹ پیشتر

شاعر مشرق کی زبان سے مندرجہ ذیل رباعی ادا ہوئی:

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید!
نسیمے از حجاز آید کہ ناید!
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ، ناید!

ملک کے تمام رہنماؤں نے رنج و الم کا اظہار کیا اور تعزیت نامے ارسال کئے ۔ خصوصاً قائد اعظم محمد علی جناح ، رابندر ناتھ ٹیگور اور حسرت موہانی نے بھی آپ کے پسماندگان کو تعزیت نامے ارسال کئے اور انتہائی غم و اندوہ کا اظہار کیا ۔

اقبالؒ خوش خلق اور ملنساری کے پیکر تھے ۔ بزرگوں کا احترام کرتے تھے اور عزیزوں سے شفقت کا برتاؤ کرتے تھے ۔ گھر کے ملازموں سے مساوات کا سلوک کرتے ۔ انداز بیان شگفتہ تھا ۔ صابر و شاکر تھے ۔ فقر و قناعت نے آپ کو سکون قلب عطا کیا تھا ۔ قرآن کریم کی تلاوت میں خوش الحانی اور ترتیل کا خاص خیال رکھتے تھے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ، قرآن مجید اور آلِ عبا (اہل بیت اطہار) سے والہانہ محبت و بے پناہ عقیدت تھی ۔ اولیاء کرام کا بھی انتہائی احترام کرتے تھے ۔

علامہ اقبالؒ کی شاعری مندرجہ ذیل چہار ادوار پر مشتمل ہے:

۱۔ پہلا دور: (طالب علمی سے لے کر ۱۹۰۴ء تک)

اس زمانے میں آپ فطرت کے مطالعے میں مصروف نظر آتے ہیں ۔ وہ معلم اخلاق بھی دکھائی دیتے ہیں اور وطن (ہندوستان) پر شیدا ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں ۔ چنانچہ ہمالہ ، ترانہ ہندی ، نیا شوالہ ، اور میرا وطن کے زیر عنوان آپ کی نظمیں اس امر پر شاہد عادل ہیں ۔

۲۔ دوسرا دور: ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء (دورِ قیامِ یورپ)

اس دور میں آپ نے یورپ کی خوش حالی مشاہدہ کی اور انھیں اہل ہند کی زبوں حالی پر بہت رنج ہوا۔ آپ ہندوستانیوں کے علمی اخلاقی، تہذیبی، معاشرتی، معاشی اور مذہبی اقدار کے انحطاط سے اس قدر مایوس ہوئے کہ شاعری ترک کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مگر شیخ عبدالقادر کے اصرار اور آرنلڈ کی اس سلسلے میں مداخلت کی بنا پر اقبالؔ کو اپنا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ اس دور کا کلام آپ نے خود انتخاب کر کے بانگِ درا میں شامل کیا۔ اس زمانے میں آپ نے فارسی میں شعر گوئی کا آغاز کیا۔

تیسرا دور: ۱۹۰۹ء تا ۱۹۲۵ء

اس دور کا آغاز آپ کے انگلستان سے وطن واپسی پر شروع ہوتا ہے۔ اب "خاکِ وطن کا ہر ذرہ" آپ کے لیے دیوتا نہیں رہا۔ بلکہ اسے مذہب کا کفن قرار دے کر ترک کر دیا۔ دین اسلام اور امتِ مسلمہ سے دلی محبت پیدا ہوئی۔ ملی اخوت کا نعرہ لگایا۔ اسلاف کے کارنامے سنا کر امتِ مسلمہ کے افراد کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی پرخلوص کوشش کی۔ علاوہ بریں امتِ مسلمہ کو یورپ کی تہذیب کو جھوٹے نگینوں کی ریزہ کاری قرار دے کر اس کے خطرناک اثرات سے باخبر کیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب انھوں نے فلسفہ اور اسلامی تصوف کو اپنی شاعری کا موضوع قرار دیا۔ آپ نے اپنی تین شہرہ آفاق مثنویاں اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی اور پیامِ مشرق کے زیرِ عنوان لکھیں جو سب کی سب فارسی زبان میں ہیں۔ "خودی" کے رازِ سربستہ کو بے نقاب کر کے آپ دنیا کے فلاسفروں اور مفکروں کی صف میں شامل ہو گئے۔

چوتھا دور: ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۸ء

آپ کی شاعری کا یہ زمانہ فلسفہ، تصوف، اخلاقیات اور نفسیات کے مسائل کا تکملہ ہے ۔ جہاں آپ آفاقی شعراء کی صف میں نمایاں مقام حاصل کر لیتے ہیں ۔ اس دور میں حکمتِ کلمی اور حریت کے مبلغ، دینِ اسلام کے پرچارک اور سیاسی اور عمرانی مسائل کے عقدہ کشا دکھائی دیتے ہیں ۔ اردو میں بالِ جبریل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز (ایک حصہ اردو اور دوسرا فارسی)، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق، زبورِ عجم، مسافر اور جاوید نامہ کے مجموعے انہی مسائل سے مملو ہیں ۔ یہی دور آپ کی شاعری کی معراج ہے ۔ آپ کے شعر و سخن کے کمالات اس میں ظاہر ہوئے، جن کی بناء پر آپ کو اقلیمِ شاعری کا پیمبر قرار دیا گیا ۔

آپ کی نثری تصنیفات میں اردو تصنیف "علم الاقتصاد" اور انگریزی تصانیف میں "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر"، "ایران میں فلسفہ ما بعد الطبیعات کا ارتقا"، "اسلام کا مذہبی تخیل" بڑی معرکہ آرا کتابیں ہیں ۔

علامہ اقبال کی شاعری کا موضوع اور محور دینِ اسلام اور ملتِ اسلامیہ ہونے کے باعث ہی آپ کا کلام مقبولِ خاص و عام ہوا ۔ آپ نے اپنے کلامِ بلاغت نظام سے ملتِ اسلامیہ کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا ۔ "فلسفہ خودی" کی تشریح و توضیح سے مسلمانوں کو اس امر کی تعلیم دی کہ وہ اپنی زندگی کو محکم بنیادوں پر قائم کریں ۔ وہ اپنے اپنے علاقے کو اسلام کا ناقابلِ تسخیر قلعہ بنا دیں ۔ اقبالؒ کے نزدیک حیاتِ انسانی کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے جو مسلمانوں میں استحکامِ خودی کے باعث ہی ممکن ہے ۔ خودی کا سبق، بلا شبہ ایک رازِ سربستہ اور نادر نکتہ ہے، جسے آپ نے ہی دریافت فرمایا اور اس کے انکشاف کے ساتھ اس کی تشریح و توضیح بھی آپ کی مساعی کی مرہونِ منت ہے ۔ فرماتے ہیں:

ہیچ کس رازے کہ من گویم نگفت
ہمچو فکر من در معنی نسفت

اقبال کے خیال میں خودی کا سبق عمل کے اعتبار سے انتہائی مشکل ہے۔ "خودی" کو پالینا "جوئے شیر لانا" ہے۔ یہ اس بنا پر کہ "خودی" کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد بے حد ضروری ہے۔ تب جا کر کامیابی کا امکان نظر آتا ہے۔

علامہ اقبال کو بھی قبول عام مرزا غالب کی طرح ان کی وفات کے بعد ملا۔ آپ کی زندگی میں آپ کی زبان، آپ کے بیان اور آپ کے فلسفۂ خودی پر اعتراضات ہوتے رہے۔ تاہم انتقال کے بعد ادیبوں، نقادوں اور نکتہ سنجوں نے آپ کی بڑی قدر کی۔ چنانچہ اقبالیات پر جتنا تحقیقی اور تنقیدی کام ہوا ہے اتنا اردو زبان کے کسی شاعر پر نہیں ہوا۔ پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کو تو خیر آپ کی قدر کرنی ہی تھی، آپ کی قدر ایرانیوں نے بھی بہت کی۔ بہر حال زندگی میں آپ کو آپ کا جائز مقام نہیں ملا۔ چنانچہ اس حقیقت کے پیش نظر علامہ اقبال نے فرمایا:

نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم
من نوائے شاعر فرداستم
عصر من دانندۂ اسرار نیست
یوسف من بہر ایں بازار نیست

نیز اس پیش گوئی کا اظہار ایک اور مقام پر فرمایا:

پس از من شعر من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

علامہ اقبال نے اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے افکار سے کلام کو پر تاثیر بنایا۔ آپ نے اس حقیقت کا اظہار فرماتے ہوئے کہا ہے:

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم
حدیث عشق بے باکانہ گفتم

شنیدم آں چہ از پاکان امت
ترا با شوخی رندانہ گفتم

اقبال در حقیقت ایک عظیم شاعر اور قابل قدر مفکر بھی ہیں۔آپ کے ہاں فن شاعری کے تمام لوازمات موجود ہیں۔چاشنی ہے، دلکشی ہے، منظر نگاری ہے، مصوری ہے، تصوف ہے، عشق و محبت ہے، فلسفہ ہے، نفسیات ہے، تہذیبی تمدنی، معاشی اور معاشرتی مسائل ہیں۔اور سب سے بڑی بات یہ کہ تخیل کی بلندی اور بیان کی ندرت ہے۔آپ کے مندرجہ ذیل چند فارسی اشعار اس امر پر شاہد عادل ہیں:

کجا نوری کہ غیر از قاصدی چیزے نمی داند
کجا خاکی کہ در آغوش دارد آسمانے را
اگر یک ذرہ کم گردد ز انگیز وجود من
بایں قیمت نمی گیرم حیات جاودانی را

* * *

دی مغ بچہ با من اسرار محبت گفت
اشکے کہ فرو خوردی از بادہ گلگوں بہ

* * *

چہ عجب اگر دو سلطاں بہ ولایتے نہ گنجند
عجب ایں کہ می نگنجد بدو عالمے فقیرے

اردو کے مندرجہ ذیل اشعار بھی اس امر کی بین دلیل ہیں:

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی!
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں!

* * *

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات

تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

* * *

عشق ہے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمبدم

* * *

گرانبہا ہے تو حفظِ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں

ملاحظہ ہو کہ ان اشعار میں ہر شعر وقیع معانی اور عمیق مطالب کا حامل ہے ڈاکٹر صاحب کے یہ اشعار کیا ہیں بس کوزوں میں دریا بند ہیں۔ ایسے اعلیٰ اور معیاری اشعار عظیم فارسی غزل گو اور اساتذہ شعرائے اردو کے ہاں بھی شاذ شاذ ہی ملیں گے۔ جہاں تک آپ کی مثنوی نگاری کا تعلق ہے آپ کی مثنویاں "اسرار خودی" اور "رموز بے خودی" معانی و مطالب کے لحاظ سے عطار کی مثنوی "منطق الطیر" اور سنائی کی شاہکار مثنوی "حدیقہ" سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ آپ کو مولانا روم سے غائبانہ رشتہ تلمذ تھا۔ اس شاگردی کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے:

باز برخوانم ز فیضِ پیرِ روم
دفترِ سربستۂ اسرارِ علوم
جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار
من فروغِ یک نفس مثلِ شرار
شمع سوزاں تاخت بر پروانہ ام
بادہ شبخوں ریخت بر پیمانہ ام
پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

ذرہ از خاک بیاباں رخت بست
تا شعاع آفتاب آرد بدست
موجم و در بحر او منزل کنم
تا در تابندہ حاصل کنم
من کہ مستی ہا ز صہبائش کنم
زندگانی از نفس ہائش کنم

آقائے محترم سید علی داعی الاسلام پروفیسر فارسی، نظام کالج، حیدآباد دکن نے فرمایا تھا کہ اگر اقبال ایران میں ہوتے اور فارسی زبان میں وطنی شعر کہتے تو وہاں کے مشہور اساتذہ کرام کی صف میں جگہ پاتے۔ آقائے محترم نے بجا فرمایا ہے کہ اقبال کی فارسی گوئی ایرانیوں کے نزدیک مسلم ہے۔

درحقیقت علامہ اقبال کا کلام علوئے تخیل، بلندی تخیل، پاکی مضمون، صفائی تراکیب، خوبی استعارات، افراط و لطافت تشبیہات، موزونی مطالب و معانی، برجستگی تلمیحات، مصوری و محاکات اور جوشش بیان کے اعتبار سے تمام شاعرانہ کمالات کا حامل ہے۔ بعض عناصر اقبال کے کلام کی خوبیوں اور کمالات سے قطع نظر کرکے "توڑ دی پرہیز" اور "موثر ہے ذوالفقار علی خاں کا" کی قبیل کے معمولی اعتراضات کو لئے پھرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ایسی معمولی غلطیاں آپ کے گرانقدر بلند پایہ کلام کے لیے خال رخ زیبا یا نظر بد سے محفوظ رکھنے کا "سیاہ نشان" ہیں۔ ان سے چشم پوشی ہی قرین صواب اور حقیقی نیکی ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے متعلق کیا خوب فرمایا ہے:

بے نیازانہ ز شوریدہ نوایم مگذر
مرغ لاہوتم و از دوست پیامے دارم

معرفتِ آلِ عبا اطہار علیہم السلام

فرہنگِ فارسی (تالیف حسن عمید) میں آل عبا کے معنی "خاندان پیغمبر اسلام، حضرت رسولؐ و امیرالمومنین علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ یک روز حضرت رسولؐ با داماد و دختر و دختر زادہ خود زیر یک عبا خوابیدند و از آں روز بہ آل عبا نامیدہ شدند۔ قل کسا و پنج تن آل عبا نیز می گویند۔

آیتِ تطہیر کی تفسیر میں صاحبِ تفسیر حسینی نے بحوالہ عین المعانی نقل کیا ہے کہ:

"صاحب عین المعانی فرمودہ کہ ظاہر تفسیر دلالت بر آں دارد کہ اہل بیت ازواج باشند۔ اما از عائشہؓ و ام سلمہؓ و ابو سعید خدریؓ و انس بن مالکؓ نقل کردہ اند کہ اہل بیت فاطمہؑ و علیؑ و حسنؑ و حسینؑ اند و در اسباب نزول آوردہ کہ ام سلمہ فرمود کہ پیغمبر در خانہ من بر گلیمے کہ بر فراش وی افگندہ بودیم نشستہ بود، فاطمہ در آمدہ و بجت حضرت سنبوسات با گوشت پختہ آوردہ بود۔ حضرت فرمود کہ اے فاطمہ! علیؑ و فرزندان ترا بخواں تا دریں خوان با ما ہمکاسہ شوند۔ چوں طعام خورد مصطفیٰ فضلہ آل گلیم بر ایشاں پوشید و گفت: "خدایا! اینہا اہل بیتِ من اند۔ رجس را از ایشاں ببر و ایشانرا پاکیزہ گرداں۔" ایں آیت نازل شد و من سر خود در زیر گلیم کردم و گفتم۔ یا رسول اللہ! من نہ از اہل بیتِ تو ام؟ فرمود کہ انک علیٰ خیر۔ ازیں جہت است کہ اہل عبا بریں پنج تن

اطلاق کنند۔

آل العباء رسول اللہ وابنۃ
والمرتضیٰ ثم سبطاہ اذا جمعوا

ترجمہ

• عین المعانی کے مصنف نے فرمایا کہ ظاہر تفسیر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اہل بیت ازواج ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ وام سلمہؓ و ابو سعید خدریؓ وانس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ اہل بیت فاطمہؓ و علیؓ و حسنؓ و حسینؓ ہیں اور آیت تطہیر نازل ہونے کے اسباب (شان نزول) میں کہتے ہیں کہ ام سلمہؓ نے فرمایا کہ پیغمبر میرے گھر میں ایک کمبل پر جو ان کے لیے بچھایا گیا تھا، تشریف فرما تھے۔ فاطمہ داخل ہوئیں وہ آنحضرتؐ کے لیے گوشت کے پکے ہوئے سنبوسے لائی تھیں۔ آنحضورؐ نے فرمایا کہ اے فاطمہؓ علیؓ اور اپنے بچوں کو بلا لے تاکہ یہ کھانا ہمارے ساتھ تناول کریں۔ جب کھانا کھا لیا گیا۔ مصطفیٰؐ نے کمبل کا حصہ ان پر ڈالا اور کہا خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ ان سے ناپاکی کو دور فرما اور انھیں پاکیزہ کر۔ یہ آیت (آیہ تطہیر) نازل ہوئی اور میں نے اپنے سر کو کمبل کے اندر کیا اور کہا یا رسول اللہ کیا میں آپؐ کے اہل بیت سے نہیں ہوں؟ آپؐ نے فرمایا "تو خیر پر ہے"۔ یہی سبب ہے کہ اہل عبا کا اطلاق ان پانچ افراد پر ہوتا ہے۔

• آل عبا، رسول اللہؐ، آنحضرتؐ کی بیٹی، علی المرتضیٰ، پھر آنحضرتؐ کے نواسے، سب کے سب۔"

آیت تطہیر قرآن کریم کی سورۃ الاحزاب کی تینتیسویں آیت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

" انما یریداللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً۔

(بے شک چاہتا ہے اللہ تو یہی کہ دور کر دے تم سے ناپاکی اے اہل بیت (نبی) اور پاک کر دے تمھیں پوری طرح پاک کرنا۔)

مسند احمد میں حضرت ام سلمہؓ سے، مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے، تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابو سعیدؓ سے آیت تطہیر کی تفسیر میں کم و بیش اسی قبیل کی روایتیں مروی ہیں۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے وقت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دروازے سے گزرتے تو آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے۔

آیت مبارکہ کی تفسیر کے سلسلے میں متذکرہ بالا تمام روایات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ عزاسمہ نے اہل بیت کا لفظ ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ علیہا السلام حضرت، حسن علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام کے لیے ہی استعمال فرمایا ہے۔ مسند احمد اور ترمذی شریف میں روایتیں نقل کی گئی ہیں کہ رسول کریمؐ صبح کی نماز کے لیے جب نکلتے تو حضرت فاطمہ کے دروازے پر پہنچ کر فرماتے کہ اے اہل بیت! نماز کا وقت آگیا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرماتے۔ نیز صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقمؓ سے ایک سوال کے جواب میں روایت نقل ہوئی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ " قسم ہے خدا کی! بیوی تو یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ کچھ عرصہ دراز سے ہو مگر پھر اگر طلاق دے دے تو اپنے میکے میں اور اپنی قوم میں چلی جاتی ہے۔ آپؐ کے اہل بیتؑ آپؐ کے اصل اور عصبہ ہیں، جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔"

شاہ عبدالقادرؒ محدث دہلوی بھی اپنی تفسیر موضح القرآن میں مشہور روایتوں

سے انھی نفوس مقدسہ کا اہل بیت ہونا قرار دیتے ہیں ۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ، چونکہ اولاد اور داماد بھی بجائے خود اہل بیت (گھر والوں) میں شامل ہیں ، بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں ، جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں "احق" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے ۔ اس لیے آپؐ کا حضرت فاطمہ ، علی ، حسن اور حسین علیہم السلام کو ایک چادر میں لے کر ۔ "اللھم ھؤلاء اھل بیتی" فرمانا یا حضرت فاطمہؓ کے مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے الصلوۃ اھل البیت یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس ۔۔۔ الخ سے مخاطب فرمانا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور انھی سے تخاطب ہو رہا ہے ۔ مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں ۔ مولانا اشرف علی شاہؒ صاحب تھانوی بھی اپنی مشہور و معروف تفسیر بیان القرآن میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں ۔

سابقوں میں حضرت احمد بن حنبل ، حضرت مسلم ، حضرت ابن جریر ، حضرت ابن کثیرؒ ، صاحب عین المعانی ، صاحب تفسیر حسینی اور متاخرین میں حضرت عبدالقادر محدث دہلوی ، حضرت شبیر احمد عثمانی اور سید اشرف علی صاحب تھانوی ، سب کے سب اس امر کے تو مقر ہیں کہ احادیث صحیحہ سے تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل بیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ، حضرت فاطمہؓ ، حضرت علیؓ ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ہی ہیں ۔ لیکن قرآن کریم کے سیاق و سباق سے اس آیت کا حضرت محمدؐ کی ازواج مطہراتؓ کی شان میں ہونا قرار دیا جا سکتا ہے ۔ حقیقت کے حصول کے لیے اس مسئلے کا تجزیہ ضروری ہے ۔

اس حقیقت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم کے حقیقی مفسر فقط رسول اکرمؐ ہی ہیں ۔ کسی دوسرے شخص کو خواہ وہ کتنا ہی جبتی اور لغت عرب کا عالم ہو ، تفسیر قرآن کا حق بلا واسطہ آنحضرتؐ نہیں پہنچتا ۔ آنحضورؐ ہی

قرآن کریم کے مطالب سمجھانے والے اور حکمت (حقیقی دانائی) سکھانے والے ہیں۔ در حقیقت جہاں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے میں ہم آنحضورؐ کے محتاج ہیں، وہاں آیاتِ مقدسہ کے حقیقی معنی و مطالب تک پہنچنے کے لیے بھی ہم آپؐ ہی کا دامن تھامنے پر مجبور ہیں۔ آنحضرتؐ کی اطاعت، باری تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ آپؐ کی ہدایات اور آپؐ کے احکامات وحی الٰہی کی تعمیل اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ اہلِ زبان خوب جانتے ہیں کہ بعض الفاظ کے لغوی معانی کے علاوہ اصطلاحی معانی بھی ہوا کرتے ہیں، جو اس قدر قوی ہوتے ہیں کہ لغوی معانی پر غالب آجاتے ہیں۔ بعض اوقات کلام میں الفاظ کے اصطلاحی معانی ہی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس جگہ لغوی معانی مراد لینا قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں مستعمل لفظ نبی کو ہی لیجئے نبی کے لغوی معانی نئی نئی باتیں یا خبریں بتانے والے یا پہنچانے والے کے ہیں۔ لیکن اہلِ دانش خوب جانتے ہیں کہ نبی سے مراد وہ شخص ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ منصبِ نبوت پر سرفراز فرما کر بنی نوع انسان کے لیے بشیر و نذیر قرار دے۔ اس پر ایمان لانا اسلام ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ اس مقدس شخصیت پر ایمان لائے بغیر اعمالِ صالحہ بھی اعمالِ صالحہ قرار نہیں پاتے اور بارگاہِ الٰہی میں نامقبول اور اکارت ہو جاتے ہیں۔ بعینہٖ رسول کا لفظ ہے، جس کا لغوی مطلب فرستادہ شخص یا ایلچی ہے۔ لیکن اصطلاحی معنی "صاحبِ شریعت و کتاب نبی" کے قرار دئے گئے۔ لہٰذا قرآن کریم میں جہاں کہیں نبی یا رسول کا لفظ انسان کے لیے استعمال ہوگا وہاں ہم اس سے باری تعالیٰ کا منتخب برگزیدہ، بشیر و نذیر اور مطاع شخصیت ہی مراد لیں گے، نئی نئی خبریں دینے والا یا ایلچی ہرگز نہیں سمجھیں گے۔ اسی طرح سے "صلوٰۃ" کا لغوی مطلب ہرگز وہ نہیں ہے جس کے لیے وہ اصطلاحاً استعمال ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ اگر عرب قرآن کریم کی آیات کے مطالب و معانی سمجھنے میں آنحضورؐ کی ترجمانی اور راہبری کے محتاج نہ ہوتے تو باری تعالیٰ کیوں نہ اسے کسی نمایاں جگہ

یا پہاڑ پر کتابی صورت میں نازل فرما دیتا کہ عرب لوگ انہے آسمان سے اترتے ہوئے مشاہدہ کرتے اور اس صورت میں بلا جاہل ایمان نہ آتے۔ لیکن اس صورت میں سب سے بڑا جھگڑا جو پیش آتا وہ تفسیر کا ہی ہوتا۔ اس امر کا قوی امکان موجود رہتا کہ کسی شخص کی رسائی بھی حقیقی معانی تک نہ ہو۔ لہٰذا اس صورت میں قرآن کریم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قرار نہ پا سکتا۔ امر واقعہ در حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم آنحضرتؐ پر تھوڑا تھوڑا بقدر مصلحتِ خداوندی نازل ہوتا رہا۔ آپؐ اپنے قول و فعل سے اس کی تشریح و توضیح اور تفسیر فرماتے رہے تاکہ کلامِ الہٰی بنی آدم پر قطعی طور پر حجت قرار پائے اور لوگ قیامت میں یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ انھیں بعض امور کے مطالب، معانی اور مفاہیم معلوم نہ ہو سکے۔ لہٰذا اگر اوامر و نواہی میں ان کی طرف سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو وہ مجبور و معذور تھے۔ حضرت ام سلمہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت زید بن ارقمؓ کی آنحضرتؐ سے کی گئی روایات اس حقیقت پر شاہدِ عادل ہیں کہ اہل بیت (آلِ عبا) سے باری تعالیٰ کی مراد آنحضرتؐ کی دختر نیک اختر حضرت فاطمہؓ، ان کے شوہر نامدار حضرت علی المرتضیٰؑ، ان کے فرزندان سعید حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ علیہم السلام ہی ہیں۔ اس حقیقت اور امر واقعہ میں کوئی شک نہیں کہ ازواج مطہراتؓ، دنیا و آخرت میں آنحضرتؐ کی بیویاں اور جمیع مومنین کی مائیں ہیں، جن میں حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم ایسی کوئی معتبر حدیث ازواج مطہراتؓ کے حق میں نہیں پاتے جس سے آیت تطہیر کا مصداق انھیں قرار دیا جا سکے۔ اب جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیتِ تطہیر کی قولی تفسیر اور عملی توضیح یہ فرمائی ہے کہ آپؐ کے اہل بیت حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ (آلِ عباؑ) ہی ہیں تو پھر قرینے اور سیاق و سباق وغیرہ کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ در حقیقت ہر آیت کے

مطالب و مفاہیم کے معاملے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریح و توضیح اور تفسیر ہی ہم پر حجت ہے۔

قرآن کریم میں ایک اور آیت مبارکہ ہے جسے "آیت مباہلہ" کہتے ہیں۔ اس آیت سے یہ حقیقت اور واضح ہو جاتی ہے کہ اہل بیت اطہار (اہل عبا یا آل عبا) میں ازواج النبیؐ (امہات المومنینؓ) دین میں انتہائی بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود شامل نہیں ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ عزاسمہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

"فمن حاجک فیہ من بعد ما جائک من العلم فقل تعالو ندع ابنائنا و ابناء کم و نساء نا و نساء کم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکٰذبین۔
(سورۃ آل عمران۔ آیت ۶۱)

(پھر جو شخص حجت کرے آپ سے اس میں بعد اس کے کہ آچکا آپ کے پاس علم تو کہہ دیجئے! آؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو۔ پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں اور لعنت کریں اللہ کی جھوٹوں پر۔)

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب اہل نجران کے وفد نے آنحضرتؐ کے دلائل ساطع اور براہین قاطع کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "ابن اللہ" قرار دئے جانے کے باطل عقیدے سے پہلو تہی نہ کی۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا حکم صادر ہوا کہ فریقین اپنے اپنے ساتھیوں، عورتوں اور بیٹوں سمیت میدان مباہلہ میں آکر جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ اس آیت میں بظاہر ہر دو فریق کے بیٹوں، ان کی عورتوں (خواتین) اور ان کے اپنوں کو بلایا گیا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اس وقت بظاہر لغوی معنی میں آپؐ کی صلبی اولاد نرینہ زندہ موجود نہیں ہے۔ نیز

آنحضورؐ کے روحانی بیٹے ہونے کے دعویدار یا لے پالک فرد رسول کریم کو اب (باپ ۔ پدر) قرار دیتے ہیں ۔ان سب کی تردید باری تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت کے ذریعے فرمائی:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لاکن الرسول اللہ و خاتم النبیین ٥

(محمد تم مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے لیکن اللہ کا رسول ہے اور انبیاء کا خاتم (آخری نبی) ہے ۔)

اس آیت میں تم سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپؐ پر ایمان لائے اور حضرت زید بن حارث (آپؐ کے لے پالک) ہیں ۔ حضرت فاطمہؓ کے آپ یقیناً اب (باپ) تھے اور آپؐ کے نواسے (حضرت فاطمہؓ کے فرزندان) بھی آپؐ کے نواسے تھے ۔آیئے اب تحقیق کریں کہ آنحضرتؐ کے بیٹے کون تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حضورِ مقبول کے "ابناءنا" (رسول کے بیٹے) قرار دیا اور آپ سے کہلایا ۔ اس سلسلے میں ہمیں آنحضرتؐ کے ارشادات اور عمل کی طرف رجوع کرنا ہوگا ۔ مشہور و بلند پایہ مؤرخ عمر ابوالنصر نے اپنی تصنیف "الزہراء" میں بحوالہ مسند احمد بن حنبلؒ آنحضرتؐ کا قول نقل فرمایا ہے کہ:

"اللہ نے ہر نبی کی اولاد اس کے اپنے صلب سے بنائی ۔ لیکن میری اولاد علی کے صلب سے بنائی ۔"

نیز لکھا ہے کہ اللہ کے رسولؐ حضرت فاطمہ کی اولاد کے سوا اور بیٹیوں کی اولاد کو اپنی نسل سے خیال نہ کرتے تھے ۔ صرف فاطمہؓ کی اولاد کو ہی یہ شرف حاصل تھا ۔

"ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے محمد بن اسامہ بن زید کی ایک روایت جو انھوں نے اپنے باپ کے حوالے سے کی ہے نقل فرمائی ہے جس کی رو سے آنحضرتؐ نے فرمایا ۔"اے علی تم میرے داماد اور میرے بیٹے کے باپ ہو ۔ تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے ہوں ۔"

پس ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرات حسنؑ و حسینؑ آنحضورؐ کے بیٹے اور "ابناؤنا" کے مصداق تھے۔ چنانچہ رسول مقبول دونوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت میدان مباہلہ میں ہمراہ لے گئے۔ "نساؤنا" کے تحت رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امہات مومنین کو چھوڑ کر صرف حضرت فاطمہ علیہا السلام کو ساتھ لے گئے حالانکہ نساء کا اطلاق بیوی، بہن، بیٹی، ماں یعنی از قسم خاتون (عورت) کے سب پر ہو سکتا ہے۔ "انفسنا" میں آنحضورؐ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر صرف حضرت علی علیہ السلام کو ہی لے کر گئے۔ درحقیقت ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ دعوت ذوالعشیرہ میں حضرت علیؑ ہی آنحضورؐ کے ناصر اور وزیر قرار پائے تھے۔ مواخات مدینہ و مکہ دونوں مقامات پر آپ ہی رسول اکرمؐ کے بھائی نہ ہوتے ہوئے بھی بھائی بنائے گے۔ حضرت علی المرتضیٰ ہی آنحضرتؐ کے نزدیک ایسے تھے جیسے حضرت ہارونؑ، جناب موسیٰ کے نزدیک تھے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ نفس رسولؐ قرار دیئے گئے اور آنحضورؐ انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ یہی "پنج تن" مصداق اہل بیت نبوت ہیں۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اپنی تصنیف موضح القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ دوسرے دن (مباہلے کے دن) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسینؑ کو گود میں لیا اور حضرت حسنؑ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت فاطمہ علیہا السلام کو اپنے پیچھے اور حضرت علی المرتضیٰؑ کو ان کے پیچھے لے کر چلے۔ فرمایا کہ جب میں دعا مانگوں تو تم آمین کہنا۔ انھوں (نصرانیوں) نے قبول کیا۔ ادھر جو نصاریٰ کے بڑے بڑے عالم آئے اور ان کو دیکھا تو پکارا اپنی قوم کو کہ اے یارو! ان کے مقابلے سے ڈرو کہ جو ہم یہ چند صورتیں دیکھتے ہیں، اگر دعا کریں تو پہاڑ زمین سے اکھڑ جائیں۔ اگر تم مقابلہ کرو گے تو ایک نصرانی بھی زمین پر نہ رہے گا۔ چنانچہ دو ہزار دینار اور تیس زرہیں ششماہی دینے کا وعدہ کیا اور نجران کو واپس چلے گئے۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت جابر سے روایت مرقوم ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ندع ابناء نا ...... الخ والی آیت انہی (اہل بیت یا آل عبا) کے بارے میں نازل ہوئی ۔ انفسنا سے مراد آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ ، ابناء سے مراد حضرت حسنؑ اور حضرت حسین علیہ السلام اور نساؤنا سے مراد حضرت فاطمہ صلوۃ اللہ علیہا ہیں ۔

مسلم شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ الہیٰ ! یہ میرے اہل بیت ہیں یعنی علیؑ ، فاطمہؑ ، حسنؑ اور حسینؑ ۔ حضرت مولانا خرم علی شارق الانوار میں اس حدیث کے بیان کا موقع متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ آیت مباہلہ کے نزول کا دن تھا ۔ جب یہ آیت اتری تو صبح کو آنحضرتؐ نکلے ۔ امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ، امام حسینؑ کو گود میں لیے ، حضرت فاطمہؑ حضرت کے پیچھے اور علی المرتضیٰؑ سب کے پیچھے ۔ پھر یہ حدیث ارشاد فرمائی ۔

بعض علماء کرام نے آیت کریمہ " قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ (سورۃ الشوریٰ ۔ پارہ ۲۵) سے اہل بیت کی محبت مراد لے کر یوں معانی کئے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی اجر (بدلہ ۔ مزدوری ۔ اجرت) نہیں مانگتا ۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب سے محبت کرو ۔ چنانچہ ابو یلدرم کا بیان ہے کہ جب حضرت علی بن حسینؑ کو دمشق میں بالاخانے پر قیدی کی حیثیت سے رکھا گیا تو ایک شامی نے شکر ادا کیا ۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت کے بارے میں پوچھا ۔ اس نے کہا کہ پھر کیا تم وہ ہو ؟ آپ نے فرمایا " ہاں " ۔ حضرت عمرو بن شعیب سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد قرابت رسولؐ ہے ۔

طبرانی اور بیہقی میں حضرت ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " میری مسجد میں داخل ہونا ہر زن حائضہ اور مرد جنب پر حرام ہے ، سوائے میرے اور میرے اہل بیت علیؑ ، فاطمہ ، حسنؑ اور حسینؑ کے ۔ "

تمام احادیث مذکورہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرتؐ نے

لفظِ اہل بیتؑ (اہل عبا یا آل عبا) کا مصداق حضرت علی المرتضیٰؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہی مقدس نفوس اہل بیتؑ (اہل عبا) ہیں۔ درحقیقت آنحضورؐ کی اہل بیت (آل عبا) سے محبت ان کی قریبی رشتہ داری کی وجہ سے ہی نہ تھی بلکہ اس میں ان کے بارگاہِ الٰہی میں بزرگ و ممتاز ہونے کا بڑا عمل دخل تھا۔ تاریخ اس امرِ حقیقت پر گواہ ہے کہ حقیقی چچا زاد بھائی ہونے کے شرف میں حضرت جعفر بن طیار حضرت علیؑ کے برابر تھے۔ مگر مواخاتِ مدینہ میں آپ نے حضرت جعفر طیارؑ کا بھائی ایک انصاری کو بنایا اور حضرت علیؑ کے آپؐ بہ نفسِ نفیس خود بھائی بنے۔ داماد ہونے کا شرف حضرت عثمانؓ کو بھی حاصل تھا لیکن انھیں مواخاتِ مدینہ میں اپنا بھائی قرار نہیں دیا۔ یہاں تک کہ میدانِ مباہلہ میں انھیں نہ تو "انفسنا" میں ہمراہ لے گئے اور نہ ہی "ابناءنا" میں۔ اسی طرح جہاں تک بنتِ رسولؐ ہونے کے شرف کا تعلق ہے وہ حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کو بھی حاصل تھا۔ لیکن احادیث سے بالکل عیاں ہے کہ آنحضورؐ کو جو تعلقِ خاطر حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا سے تھا وہ کسی دوسری بیٹی سے نہیں تھا۔ چنانچہ سیدۃ النساء العالمین کے اعلیٰ خطاب سے آپ ہی کو نوازا گیا۔ اگر حضرات حسنؑ و حسینؑ آنحضرتؐ کی دخترِ نیک اخترؑ کے بیٹے تھے تو بقول بعض تمام امت بھی آپؐ کی روحانی اولاد تھی۔ سب جانتے ہیں کہ روحانی تعلق کو مادی تعلق پر فوقیت حاصل ہے۔ علاوہ بریں حضرت زینب کے فرزند علی بھی آنحضورؐ کے نواسے تھے۔ مگر آپ کی ان سے محبت کا وہ عالم نہ تھا جو حضرت حسنؑ اور حسینؑ کو حاصل تھا۔ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو ہی آنحضرتؐ نے نوجوانانِ بہشت کے سردار قرار دیا۔ لہٰذا یہ بات پوری طرح عیاں ہوئی کہ ان حضرات (اہل بیتؑ یا اہل عبا) سے آنحضورؐ کی محبت زیادہ تر ان کی اسلامی خدمات، نصرتِ دین اور قربتِ الٰہی کی وجہ سے ہی تھی۔

تاریخ اسلام شاہدِ عادل ہے کہ مسلمان مردوں میں حضرت علیؑ کی اسلامی

خدمات، منفرد اور مثالی تھیں اور اس سلسلے میں کوئی صحابی ان کا ہم پلہ اور ہمسر نہ تھا۔ اسی طرح حضرت فاطمہؑ کا رسول کریمؐ (حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد کی زندگی میں) کی خدمت میں ہمہ وقت استادہ رہنا اور آپؐ کی خوشنودی کے حصول میں ہمیشہ کوشاں رہنا انھیں تمام خواتین (بنات و ازواج) پر فوقیت دلاتا ہے۔ حضرت حسنؑ کا مسلمانوں کے صلح و آشتی کے قیام کے لیے خلافت سے دستبردار ہونا اور حضرت حسینؑ کا اپنے اعزا و اقربا اور انصار کے ساتھ میدان کربلا میں اسلامی اصولوں کے تحفظ کے لیے قربانی دینا ہی وہ خدمات تھیں جن میں امت کا کوئی فرد ان کا ہم پہ نہ تھا۔ الحاصل اسلامی خدمات اور حصول رضائے الٰہی کے معاملے میں اہل بیتِ اطہار (آل عبا) آنحضرتؐ کے جملہ اقربا، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ پر فوقیت رکھتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر آنحضرتؐ نے بروایت حضرت ابو ذرؓ (مسند احمد میں) فرمایا:

"آگاہ ہو! میرے اہل بیت تمھارے درمیان نوح کی کشتی کی مانند ہیں۔ جو شخص کشتی میں سوار ہوا، اس نے نجات پائی اور جو رہ گیا ہلاک ہوا۔"

نیز دیلمی، حاکم، بزاز اور ابو الحسن مغازی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:

"میرے اہل بیت کی مثال ایسی ہے جیسے بنی اسرائیل میں باغ حطہ کی، جو اس میں داخل ہوا اس کی مغفرت ہو گئی۔"

الحاصل اہل بیتِ نبوت، رسول کریمؐ کے ساتھ حضرت فاطمہؑ، حضرت علیؑ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ ہی ہیں۔ یہی اہل عبا (آل عبا) ہیں۔ ان ہی سے محبت، ان ہی کی اطاعت اور ان ہی کی ولا۔ ہم پر لازم ہے جو درحقیقت ہماری اُخروی سرخروئی اور کامیابی کی ضامن ہے۔

چند مخصوص فضائل آلِ عبا (اہل بیت اطہار) علیہم السلام

(۱)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:
میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

(ترمذی شریف)

(۲)

حضرت عبداللہ بن سعدؓ بن زرارہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ
"خدا نے علیؓ کے متعلق میرے پاس وحی میں تین باتیں نازل کی ہیں کہ وہ مومنوں کے سردار، متقیوں کے امام اور نمازیوں کے افسر ہیں۔"

(ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء)

(۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نبی کریمؐ سے روایت کی ہے کہ نساء اہل جنت کی سردار مریمؑ، پھر فاطمہؑ، پھر خدیجہؓ، پھر آسیہ زنِ فرعون ہیں۔

(رحمۃ اللعالمین جلد دوم صفحہ ۱۴۴)

(۴)

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا۔ "یا الہیٰ! میں حسنؑ و حسینؑ کو چاہتا ہوں، سو تو بھی ان کو چاہ۔" اور دوسری روایت یوں ہے کہ "الہیٰ! میں مقرر ان دونوں پر رحم کرتا ہوں تو بھی ان پر رحم کر۔"

(بخاری شریف)

(۵)

روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ دونوں (حضرات حسنینؑ) نوجوانانِ بہشت کے سردار ہیں۔"

(رحمۃ اللعالمین، جلد دوم، صفحہ ۱۴۴ بحوالہ الاستیعاب)

سیرت سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت و اسمٰعیل - ربنا تقبل منا - انک انت السمیع العلیم ○ ربنا و جعلنا مسلمین لک و من ذریتنا امۃ مسلمۃ لک - و ارنا مناسکنا و تب علینا - انک انت التواب الرحیم ○ ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلو علیھم آیٰتک و یعلمھم الکتٰب والحکمۃ و یزکیھم - انک انت العزیز الحکیم ○
(سورۃ البقرہ، آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹)

اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم بنیادیں کعبہ کی اور اسمٰعیل - (دونوں دعا کرتے تھے) اے ہمارے رب! قبول فرما ہم سے - بے شک تو ہی ہے بڑا سننے والا جاننے والا - اے ہمارے رب! اور بنا ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو فرمانبردار اپنا - اور بتا ہم کو ہمارے حج کے طریقے اور توبہ قبول فرما ہماری - بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے - اے ہمارے رب! اور مبعوث فرما ان میں ایک رسول انھی میں سے جو پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھائے انھیں کتاب اور دانائی اور پاک کرے انھیں - بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا -

سیدنا ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم السلام کی دعا جو انھوں نے تعمیر کعبہ کے وقت بارگاہِ ایزدی میں کی، درجہ قبول کو پہنچی - چنانچہ عرصہ دراز کے بعد ان کی

ذمت میں، کہ امت مسلمہ تھی، ایک فرد سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے برگزیدہ فرما کر رسول مبعوث فرمایا۔ آپؐ نے اس مسلم جماعت کے افراد پر باری تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات تلاوت فرمائیں، انھیں ان آیات کی تفسیر سکھائی، انھیں دانائی کی تعلیم دی اور پاک فرمایا۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فرزند ارجمند قیدار کی اولاد میں سینتیس افراد کا برگزیدہ ہونا ثابت ہے۔ ان کے بعد ان کے سلسلے کی تیسری پشت میں حضرت معنر ہوئے ہیں، جو دین حنیف پر تھے۔ حضرت معنر سے چوتھی پشت میں حضرت کنانہ ہوئے۔ صحیح مسلم شریف میں واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اسمٰعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا۔ اسمٰعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنو ہاشم سے مجھے ممتاز فرمایا۔"

حضرت کنانہ کی تیسری پشت میں فہر ملقب بہ قریش ہوئے ہیں۔ ان سے آٹھویں پشت میں حضرت ہاشم اس دنیا میں تشریف لائے۔ ہاشم اپنے باپ عبد مناف کے بعد سردار قوم ہوئے۔ ان کے برادر زادہ امیہ بن عبد الشمس نے ان کی سرداری تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ عسقلان کے ایک کاہن کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ اس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا۔ ہاشم کے بعد آپ کے فرزند اکبر عامر المعروف بہ عبدالمطلب سردار قوم ہوئے۔ آپ کو شیبہ، سید قریش اور شریف قریش بھی کہا جاتا تھا۔ آپ ہمیشہ مکارم اخلاق کی نصیحت کرتے تھے۔ آپ کے فضائل میں سب سے پہلی فضیلت یہ ہے کہ آپ نے اپنے خواب میں بشارت ملنے پر چاہِ زمزم کو کھود کر نئے سرے سے درست اور جاری کیا۔ دوسری فضیلت یہ کہ آپ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منت مانی کہ اگر وہ اپنے دس بیٹوں کو جوان دیکھ لیں تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ آپ کا پہلا کام آپ

ی برگزیدگی اور دوسرا آپ کے ایمان کی پختگی پر دلالت کرتا ہے۔ آپ کے راسخ العقیدہ ہونے کا ثبوت مکہ پر ابرہہ کے چڑھائی کے وقت اولاً اس واقعے سے ملتا ہے کہ جب آپ نے درِ کعبہ کو تھام کر فرمایا تھا:

"اے اللہ! ہم نحیف و نزار ہیں۔ ہم میں اتنی سکت نہیں کہ ہم دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ گھر تیرا ہے۔ تو ہی اس کی بہتر حفاظت کر سکتا ہے۔"

دوئماً اس واقعے سے جب ابرہہ نے آپ کے کچھ اونٹ پکڑ لیے اور آپ نے جا کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو ابرہہ نے کہا، "میرا خیال تھا کہ تم اپنے معبد کو چھوڑنے کی درخواست کرو گے۔" تب آپ نے فرمایا، "میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ لہٰذا واپسی کے لیے تیرے پاس آیا ہوں۔ اس گھر یعنی کعبہ کی مالک ایک اور مقتدر ہستی ہے، جو اپنے گھر کی حفاظت خود کرے گی۔" چنانچہ ابرہہ نے اونٹ واپس کر دیئے اور آپ قریش کو لے کر پہاڑوں میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ عزاسمہ نے ابابیلوں کی فوج ظفر موج کو ابرہہ اور اس کے لشکر پر مسلط کر دیا۔ اس کی فوج مع ہاتھیوں کے تباہ و برباد ہو گئی اور کعبہ اس کی دستبرد سے محفوظ رہا۔ الغرض میں یہ بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ رسول کریمؐ کا خاندان دینِ حنیف (دینِ ابراہیمی) پر قائم تھا۔ آپ کے خاندان والے (بنو عبدالمطلب) نیک سیرت اور موحد افراد تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے اس خاندان میں سے ایک فرد (آنحضرتؐ) کو رسالت کے عہدہ جلیلہ پر مبعوث فرمایا۔

سیدنا خیر البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول سن ۱ عام الفیل بمطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مکہ معظمہ میں بوقت صبح صادق کے وقت منصہ شہود پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپؐ کے والد گرامی سیدنا حضرت عبداللہ آپؐ کی ولادت سے چند ماہ قبل دارالبقا کو رحلت فرما چکے تھے۔ آپؐ کے بزرگوار جدِ محترم سیدنا حضرت عبدالمطلب نے آپؐ کا نام نامی و اسم گرامی محمدؐ رکھا۔ ابھی آپؐ چار

برس ہی کے تھے کہ آپؐ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہؓ بھی اس جہان فانی سے رحلت فرما گئیں ۔ آٹھ سال کی عمر میں آپؐ کے شفیق جد امجد نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اب آپؐ کی پرورش و پرداخت کا کام آپؐ کے حقیقی چچا سیدنا حضرت ابو طالبؓ نے سنبھال لیا ۔ حضرت ابو طالبؓ نے اپنے یتیم بھتیجے کی تربیت اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر کی ۔ وہ آنحضرتؐ سے بے پناہ محبت کرتے تھے ۔ پچیس سال کی عمر میں آپؐ کی شادی سیدہ خدیجۃ الکبریٰ سے بطریق احسن سرانجام پائی ۔ سیدنا حضرت ابو طالبؓ نے آپؐ کا نکاح پڑھایا ۔ حضرت خدیجہ علیہا السلام امیر و کبیر خاتون تھیں ۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے شادی کے بعد آپؐ کو کسب معاش سے نجات مل گئی ۔ چنانچہ آپؐ اپنا اکثر و بیشتر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بنی آدم کی فلاح و بہبود میں صرف کرنے لگے ۔ قبل نبوت آپؐ کے نمایاں کارناموں میں اولاً از سر نو تعمیر کعبہ ، دوئمًا تنصیب حجر اسود ، سوئمًا قیام امن اور حفاظت حقوق کی انجمن کا قیام ہیں ۔ جوں جوں آپؐ کی منصب نبوت پر بعثت کا زمانہ قریب آتا گیا ، آپؐ کا عبادت الہیٰ میں انہماک بڑھتا چلا گیا ۔ عموماً آپؐ غار حرا میں تشریف لے جایا کرتے اور کئی کئی روز تک وہاں ذکر الہیٰ میں مصروف رہتے ۔ چنانچہ جب آپؐ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو آپؐ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے باری تعالیٰ کی طرف سے رسول مبعوث ہونے کی بشارت دی ۔ کچھ دنوں کے بعد پھر فرشتہ آیا اور پہلی وحی نازل ہوئی ۔ روح الامین علیہ السلام نے مندرجہ ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی :

"اقرا باسم ربک الذی خلق ۔ خلق الانسان من علق ۔ اقرا و ربک الاکرم الذی علم بالقلم ۔ علم الانسان مالم یعلم ۔

(سورۃ العلق ۔ آیات ۱ تا ۵)

(پڑھئے اپنے رب کے نام سے ، جس نے سب کو پیدا کیا ۔ پیدا کیا انسان کو خون بستہ سے ۔ پڑھئے ، اور آپ کا پروردگار سب سے

بڑھ کر کرم کرنے والا ہے ۔ جس نے سکھایا ہے قلم سے ۔ سکھایا
انسان کو جو وہ نہ جانتا تھا ۔)

ان آیات کے نزول کے ساتھ آپؐ پر نبوت کا بارِ گراں اٹھانے کی ذمہ داری عائد ہو گئی ۔ بعدہ یا ایہا المدثر....... الخ (آیات ۱تا۷) کے نزول کے ساتھ آپؐ نے باری تعالیٰ کے حکم سے کارِ تبلیغ کی ابتدا فرمائی ۔ آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت علیؑ، حضرت زید بن حارثؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں ۔ اقرباء پر آیاتِ قرآنی تلاوت کرنے، انھیں ان آیات کا مفہوم سمجھانے اور ان کے تزکیہ نفس کا حکم اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات میں دیا:

و انذر عشیرتک الاقربین ۰ واخفض جناحک لمن
اتبعک من المؤمنین ۰
(الشعراء آیت ۲۱۴، ۲۱۵)

(اور ڈرائیے اپنے کنبے کے قریبی لوگوں کو اور جھکائیے اپنے بازو
ان کے لیے جو آپ کی پیروی کریں (ایمان داروں میں سے)

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کے کنبے کے لوگ مومن تھے ۔ چنانچہ اسی لیے کہا گیا ہے کہ مومنین میں سے جو پیروی کریں، ان کے لیے اپنا بازو جھکائیے ۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضورؐ نے دعوتِ ذوالعشیرہ کے انتظام کا حضرت علیؑ کو حکم فرمایا ۔ پہلے دن ابولہب نے اظہارِ مقصد نہ ہونے دیا ۔ دوسری شب بنی ہاشم کی دعوت کی گئی ۔ طعام کے بعد آنحضورؐ نے سامعین سے فرمایا: "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کو [illegible] اس بارِ گراں کو اٹھانے میں کون میری مدد کرے گا اور میرا ساتھ دے گا ۔ یہ سن کر سب خاموش رہے ۔ سیدنا حضرت علی علیہ السلام نے باوجود اپنی کم سنی کے اعلان کیا: "یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں ۔" نبیؐ نے ابوطالب سے کہا، "تم اس کی بات مانا کرو اور جو کہا کرے

سنا کرو۔ یہ فقرہ سن کر مجمع خوب کھلکھلا کر ہنسا اور ابو طالبؓ سے تمسخر کرنے لگا۔
دیکھو! محمدؐ نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ آج تم اپنے فرزند کا حکم مانا کرو۔ (۱)

ہجرت علیؓ کے دعوٰی نصرت کے بعد آنحضرتؐ نے کوہ صفا پر چڑھ کر عام تبلیغ کی ابتداء کی۔ آپؐ کے اعلان عام نے قریش کو آپؐ کا دشمن بنا دیا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کو سخت اذیتیں دینے کا آغاز کر دیا تاکہ اس تشدد سے وہ دوبارہ اپنے دین پر لوٹ آئیں۔ سیدنا حضرت بلالؓ کو گرم ریت پر لٹایا جاتا۔ مشکیں کس کر پیٹا جاتا اور دھوپ میں پہروں بٹھایا جاتا۔ سیدنا حضرت عمار بن یاسرؓ، حضرت خبابؓ بن ارت اور حضرت ارقمؓ، سب پر یہ ظلم توڑے جاتے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان اور زبیرؓ بن العوام کو کافی عمر والے اور صاحب توقیر ہونے کے باوجود بھی ان کے بڑے لوگ انھیں تکلیفیں دیا کرتے۔ مگر شراب معرفت حق کا نشہ ایسا نہ تھا جسے مظالم اور اذیتوں کی ترشی اتار دیتی۔ یہ حضرات بھی خندہ پیشانی سے تمام مصائب برداشت کرتے رہے۔ قریش نے اس سب ناروا سلوک کو کافی نہ سمجھا۔ چنانچہ حضرت رسول مقبولؐ سے بھی استہزاء اور تمسخر کیا جاتا۔ راہ میں کانٹے بچھائے جاتے اور سر اقدس پر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا۔ لیکن ان تمام تکالیف کے باوجود آپؐ کے جوش تبلیغ میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ مشرکین کے مظالم کے پیش نظر آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ جس کی بناء پر گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا پہلا گروہ حبش کو روانہ ہو گیا۔ ان کے بعد پیچھے ہی دوسرا قافلہ جو تراسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں پر مشتمل تھا، بھیج دیا گیا۔ حبش پہنچنے پر مسلمانوں کو قریش کے بے انتہا مظالم سے نجات مل گئی اور انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد نجاشی شاہ حبشہ حضرت جعفرؓ طیارؓ بن ابی طالبؓ کے دست مبارک پر بیعت کر کے اسلام لے آیا۔

مسلمانوں کی جماعت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ آنحضرتؐ کی تبلیغ تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ مسلمانوں کی تعداد میں اس اضافے سے قریش تنگ آ گئے۔

چنانچہ مشرکین نے آنحضرتؐ کو قسم قسم کے لالچ دئے اور ناکام رہے۔ اس پر تمام قبیلوں کے سردار اکٹھے ہو کر سیدنا ابو طالبؓ کے پاس آئے اور کہا: "ہم نے آپ کا بہت ادب و احترام کیا۔ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کو جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ آپ اسے سمجھا کر چپ رہنے کی ہدایت کریں، ورنہ ہم اسے مار ڈالیں گے، پھر تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہ کر سکو گے۔" سارے علاقے کی عداوت دیکھ کر شفیق چچا کا دل درد و محبت سے بھر آیا۔ انھوں نے آنحضرتؐ کو بلایا اور سمجھایا کہ "بت پرستی کا رد نہ کیا کرو، ورنہ میں تمھاری کچھ حمایت نہ کر سکوں گا۔" یا بروایت بعض، فرمایا۔ "بھتیجے مجھ پر اس قدر بار نہ ڈال کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔" آنحضرتؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا، "چچا، خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج بھی رکھ دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا خواہ میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔" ابو طالبؓ بہت متاثر ہوئے اور کہا، "جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ (۲)

اب آنحضرتؐ نے حسب سابق زور و شور سے دین اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ نبوت کے چھٹے سال حضرت امیر حمزہؓ نے اپنے ایمان کا اظہار کر دیا اور اسی سال حضرت عمرؓ اسلام قبول کرنے کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ جب قریش نے اپنی تمام جدوجہد رائیگاں جاتی دیکھی تو محرم سن ۷ نبوی میں انھوں نے بنو ہاشم سے مقاطعے کا فیصلہ کیا اور معاہدہ تحریر ہوا جسے در کعبہ پر آویزاں کر دیا گیا۔ حضرت ابو طالبؓ بنو ہاشم کو لے کر پہاڑ کی گھاٹی میں جو کہ آپ کی ملکیت تھی اور شعب ابی طالب کے نام سے موسوم تھی، پناہ گزیں ہوئے۔ قریش نے اجناس خوردنی تک کا جانا بھی بند کر دیا۔ چنانچہ بنی ہاشم کے بچے بھوک کی وجہ سے اس قدر رویا کرتے تھے کہ ان کی آوازیں گھاٹی کے باہر سنائی دیتی تھیں۔ (۳)۔ آنحضورؐ اور آپؐ کے خاندان نے پورے تین سال سخت تکالیف میں گزارے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے

ابوالبختری، ہشام عامری، زہیر اور زمعہ بن الاسود کے دل میں اس ظلم سے نفرت پیدا کی۔ چنانچہ ان کی کوشش سے بنو ہاشم کو شعب ابی طالب میں نظر بندی سے نجات ملی۔ اس آزادی کو ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ صلواۃ اللہ علیہا کا انتقال ہو گیا۔ ان دونوں کے انتقال پر ملال کا آنحضرتؐ کو اس قدر قلق ہوا کہ آپؐ نے اس سال کو عام الحزن قرار دیا۔ کتبِ تاریخ و سیر میں عام طور پر حضرت ابو طالبؑ کو مشرک ہی گردانا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے، حضرت ابو طالبؑ مسلمان تھے، مسلمان رہے اور مسلمان کی حیثیت سے ہی انتقال فرمایا۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ عصبیتِ قبیلہ عربوں کے مزاج میں داخل تھی۔ تاہم اس حقیقت سے بھی کوئی باشعور انکار نہیں کر سکتا کہ دینی عصبیت بہر طور قبیلوی عصبیت سے سخت تر ہے۔ چنانچہ تاریخی شواہد اس امر حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں کہ دینی عصبیت قبیلوی عصبیت پر غالب تھی۔ حضرت عثمانؓ کے حقیقی چچا انھیں تکالیف دیتے تھے۔ حضرت زبیر کو بھی ان کے رشتہ دار تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ دوسرے اصحابؓ کے رشتہ دار بھی ان کے لیے مصیبت بنے ہوئے تھے۔ اگر ابو طالبؑ مومن نہ ہوتے تو بالفرض محال اگر وہ عصبیتِ قبیلہ کا لحاظ کرتے ہوئے آپؐ کو تکلیف نہ بھی دیتے تاہم ان کی مدد سے ہاتھ ضرور اٹھا لیتے۔ حالانکہ واقعہ بالکل اس کے برعکس ہے کہ انھوں نے حضرت علی کو آنحضرتؐ کا بوجھ ہلکا کرنے اور ان کے کام آنے کی ہدایت کی۔ (۳)۔ خود انھوں نے ایک قصیدہ اپنے عالی قدر بھتیجے کی شان میں کہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ انھوں نے خود بھی آنحضورؐ کی ہر ممکن مدد کی اور ہمیشہ ان کی حفاظت میں سرکف رہے۔ یہ امر ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی شخص اپنے مذہب کے دشمن کی مدد نہیں کرتا۔ تاہم دینی غیرت ایک گئے گزرے شخص کو بھی اپنے فرزند تک سے قطع تعلق کرنے اور اسے عاق کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ درحقیقت حضرت ابو طالبؑ کے کفر کی روایات بنو امیہ کے عہد میں گھڑی گئیں

اور مشہور کی گئیں جنھیں موزخین نے مشہور انام ہونے کے باعث کسوٹی پر پرکھے بغیر درست تسلیم کر لیا۔ چنانچہ اپنی تواریخ میں نقل کرتے گئے اور روایت کی نقل کے اس تواتر نے انھیں تاریخی حقیقت بنا دیا۔ وگرنہ امر حقیقت یہ ہے کہ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے اور حضرت ابو طالبؑ بلا مبالغہ "سابقون الاولون" میں شمار کئے جانے کے مستحق تھے اور ہیں۔

حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی رحلت کے بعد قریش نے آنحضرتؐ پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ آنحضرتؐ تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے۔ وہاں طائف کے امراء نے آپؐ پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور آپؐ کو مجبوراً کے واپس لوٹنا پڑا۔ آپؐ نے ان مصائب کے باوجود سلسلہ تبلیغ جاری رکھا۔ چنانچہ پہلے ۱۱ نبوی میں مدینے کے بارہ اشخاص نے آکر اسلام لائے اور بیعت کی، جسے بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں اور بعدہ ۱۲ نبوی میں بہتر (۷۲) حضرات حاضر ہو کر اسلام لانے کی سعادت سے مشرف ہوئے، جو بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ مدینے میں اسلام کی مقبولیت پر آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ جب مکے میں مسلمانوں کی تعداد کم ہو گئی تو قریش نے رسول مقبولؐ کو قتل کرنے کے لیے ہر قبیلے سے ایک جوانمرد مقرر کیا اور طے پایا کہ صبح کے وقت جب آنحضورؐ نماز کے لیے باہر تشریف لائیں تو انھیں سب مل کر قتل کر دیں۔ اس صورت میں بنی ہاشم تمام قبائل کے مقابلے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔ جب حالات یہاں تک نازک صورت اختیار کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ہجرت مدینہ کی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپؐ حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلا کر بعافیت گھر سے تشریف لے گئے۔ (۵)۔ حضرت علیؑ نے رسول اکرم کے بستر پر استراحت فرما کر اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بیچ ڈالا اور اس ذات ستودہ صفات کی رضا کو حاصل کیا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔

واللہ رءوف بالعباد ٥

(سورۃ البقر آیت ۲۰۷)

(اور لوگوں میں سے بعض وہ جو بیچتا ہے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی
رضا جوئی میں ۔ اور اللہ بڑا مہربان ہے بندوں پر)

صبح کو حضرت علیؓ نے لوگوں کو امانتیں واپس کیں اور پا پیادہ سفر کرتے ہوئے آنحضرتؐ کی خدمت میں بخیریت مدینہ پہنچ گئے ۔

جب رسول کریمؐ مدینے پہنچے ، انصار جوق در جوق استقبال کے لیے آئے اور شاندار خیر مقدم بجا لائے ۔ آنحضورؐ نے مہاجرین و انصار میں رشتہ اخوت قائم کیا ۔ مواخات میں ہر دو کے اتحاد میں مذاق اور حفظ مراتب کو ملحوظ رکھا گیا ۔ مہاجرینؓ میں سے صرف حضرت محمدؐ اور حضرت علیؓ کو کسی انصاری کا بھائی نہیں بنایا گیا ، ورنہ ہر مہاجر کا رشتہ کسی نہ کسی انصاری سے ضروری طور پر جوڑا گیا تاکہ مکے کے مہاجر مدینے میں سر چھپا سکیں ۔ ابھی ہجرت کا دوسرا ہی سال تھا کہ شعبان المکرم میں تحویل قبلہ کا حکم ہوا ۔ اسی سال رمضان المبارک میں غزوہ بدر وقوع پذیر ہوا ۔ عتبہ جو سردار لشکر تھا ، اپنے بھائی شیبہ اور لڑکے ولید کو لے کر میدان وغا میں نکلا اور مبارز طلبی کی ۔ لشکر اسلام سے پہلے تین انصار مقابلے کے لیے آگے بڑھے ۔ عتبہ نے کہا ، "اے محمدؐ ! یہ لوگ ہمارے جوڑ نہیں" ۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے حضرت حمزہؓ ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کو بھیجا ۔ عتبہ کا مقابلہ حضرت حمزہؓ سے ، ولید کا حضرت علیؓ سے اور شیبہ کا حضرت عبیدہؓ سے ہوا ۔ عتبہ اور ولید مارے گئے ۔ لیکن شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا ۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ شیبہ پر حملہ آور ہوئے اور اسے بھی قتل کر دیا ۔ نیز حضرت عبیدہؓ کو اٹھا لائے ۔ حضرت عبیدہؓ نے فرمایا ، "آج اگر ابو طالبؓ زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ میں ان کے اس شعر کا مستحق ہوں:

و نسلمہ حتی نصرع حولہ

و نذھل عن ابنائنا والحلائل

(ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب کہ ان کے گرد لڑ کر مر جائیں گے اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھلا نہ دئے جائیں؛)

بعدہ جنگ مغلوبہ شروع ہوئی اور حق نے باطل پر فتح پائی۔

غزوہ احد ۳ ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ قریش نے اپنی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینے کے لیے پانچ ہزار بہادروں پر مشتمل لشکر لے کر مدینے پر حملہ کیا۔ آنحضرتؐ نے سات سو ہمراہیوں کے ساتھ احد کے مقام پر مدافعت کی۔ مشرکین کی ایک جنگی چال کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ حضرت حمزہؓ مع ستر دوسرے افراد کے شہید ہوئے اور آنحضورؐ بھی زخمی ہوئے۔ فتح بہر حال مسلمانوں کے حصے میں آئی۔ منافقین نے آنحضرتؐ کی شہادت کی افواہ اڑا دی۔ جب یہ افواہ مدینے پہنچی، حضرت فاطمہؓ اضطراب کی شدت کے باعث مدینے سے میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ پیشانی کے زخم پر چٹائی جلا کر اس کی راکھ بھری جس سے خون تھم گیا۔ حضرت علیؑ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے رہے۔

قریش نے دو سال بعد ابو سفیان کی سپہ سالاری میں پھر مدینے پر حملہ کر دیا۔ اس دفعہ قریش اور ان کے اتحادیوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر خندق کھودی گئی۔ اس غزوے میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تین ہزار صحابہ تھے۔ تقریباً ایک ماہ تک محاصرہ رہا۔ آخر کار عمر بن عبدود، جو ایک ہزار بہادروں کے برابر سمجھا جاتا تھا، چند جنگجو مشرکین کے ساتھ خندق کو پار کر آیا اور مبارز طلبی کی۔ حضرت علیؑ مقابلے کے لیے نکلے اور معرکہ آرا ہو کر اسے قتل کر دیا۔ باقی بہادر بھی میدان چھوڑ گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین پر طوفان باد مسلط کر دیا۔ چنانچہ اس بار بھی دشمن نامراد واپس ہوئے۔ درحقیقت یہ شکست وہ تھی جس نے قریش کی کمر توڑ ڈالی اور ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کا سبب بنی۔

صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ آنحضرتؐ نے خطوط کے

ذریعے سلاطین عالم کو اسلام کی دعوت دی ، جس سے غیر ممالک بھی اسلام سے روشناس ہو گئے ۔ اس خط کتابت کا یہ نتیجہ نکلا کہ نجد ، غسان ، دومۃ الجندل ، یمن اور طائف کے بعض علاقوں کے حکمران ایمان لے آئے ۔ نیز فروہ بن عمرو خزاعی ، گورنر شام نے بھی اسلام قبول کر لیا ۔ ہجرت کے ساتویں سال غزوہ خیبر رونما ہوا ۔ خیبر کے قلعے بہت مضبوط تھے ، جن میں بیس ہزار سلاح پوش جوانمرد موجود تھے ۔ سوائے قلعہ قموص کے سب قلعے فتح ہو گئے ۔ لیکن یہ قلعہ فتح ہونے میں نہ آتا تھا ۔ آنحضرتؐ نے اس قلعہ کو فتح کرنے کے لیے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو باری باری فوج کی کمان دے کر بھیجا ۔ لیکن دونوں قلعے کی تسخیر میں ناکام رہے ۔ شام کو آنحضور نے فرمایا ، "کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا ۔ اور جو خدا اور اس کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور اس کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں ۔ (۶) ۔ تمام صحابہ کرامؓ اس سرداری کے خواہشمند تھے ۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی ۔ اور انھوں نے بھی سرداری کی تمنا کی ۔ صبح کو رسول مقبولؐ نے حضرت علیؑ کو طلب فرمایا اور علم عطا کیا ۔ چنانچہ آپؑ نے فوج کے ساتھ قلعے پر حملہ کیا اور مرحب نامی قلعدار کو قتل کر کے قلعہ فتح کر لیا ۔ ۸ ھ میں قریش نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا ۔ لہٰذا رمضان المبارک میں آنحضرتؐ نے مکے کو بلا کسی خوں ریزی کے فتح کر لیا ۔ حرم محترم کو پاک و صاف کیا ۔ آنحضرتؐ نے "لاتثریب علیکم الیوم " (آج تم پر کوئی الزام نہیں) فرماتے ہوئے اپنے تمام دشمنوں کو معاف فرما دیا ۔ آپؐ نے اس موقع پر ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور سب کو نصیحتیں کیں ۔ اسی سال شوال میں غزوہ حنین پیش آیا ، جس میں باری تعالیٰ نے مسلمانوں کی شکست کو انجام کار فتح میں بدل دیا ۔

ہجرت کے نویں سال آنحضورؐ تیس ہزار فوج کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے ۔ آپؐ نے اہل حرم کی حفاظت کے لیے حضرت علیؑ کو مدینے میں چھوڑا حضرت علی علیہ السلام جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کی ذمہ

دلادی۔ حضرت فاطمہؓ۔ میں اٹھا چکے تھے آنحضرتؐ سے شکوہ کرتے ہوئے عرض پرداز ہوئے۔ آپؐ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ جواب میں آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا:

"الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھرون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی۔"

(کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تم میرے نزدیک بمنزلہ ہارون کے ہو۔ مگر ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں)

آنحضرتؐ جب تبوک پہنچے تو دشمن کا وہاں پتہ و نشان تک نہ ملا اور آپ پھر لوٹ آئے واپس تشریف لائے۔ ۹ھ میں حج کے موقع پر آنحضرتؐ کے حکم سے حضرت علیؓ نے سورۃ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور آپؐ کی طرف سے اعلان کیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ ہی برہنہ طواف کر سکے گا۔ روایت نقل کی گئی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور پر مسلمان ہو گئے۔ اسی سال وفد نجران، وفد بنو اسد اور وفد بنو فزارہ آئے۔ بنو اسد اور بنو فزارہ نے اسلام قبول کر لیا۔ وفد نجران سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ خدا ہونے پر مباحثہ ہوا۔ یہاں تک کہ آنحضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھیں مباہلے کی دعوت دی۔ آپؐ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنین علیہما السلام کو ساتھ لے کر مباہلے کے لیے نکلے۔ نجرانیوں نے مباہلہ نہ کیا اور سالانہ خراج دینا قبول کر کے صلح کر لی۔

۱۰ھ میں آپؐ نے بڑے اہتمام سے آخری فریضہ حج ادا کیا۔ آپؐ نے خطبے میں فرمایا۔

"اے لوگو! تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ لوگو جاہلیت کی ہر ایک بات

میں اپنے قدموں تلے پامال کرتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانے کا سود ملیا میٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں عباس بن عبدالمطلبؓ کا سود ہے۔"

علاوہ ازیں آپؐ نے عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ یوم النحر کو آپؐ نے تریسٹھ اونٹ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور سینتیس شتر حضرت علیؓ نے آپؐ کی طرف سے ذبح کئے۔ آپؐ کے ہمراہ ایک لاکھ چوالیس ہزار افراد نے فریضہ حج ادا کیا۔ واپسی پر غدیر خم پر آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور مختصر سا خطبہ دیا اور اہل بیت اطہارؑ کی شان و منزلت کا اظہار کیا۔ چنانچہ فرمایا:

" انی تارک فیکم الثقلین او لھما کتاب اللہ فیہ الھدی والنور فخذوا الکتب اللہ واستمسکوا بہ و اھل بیتی۔ اذکرکم اللہ فی اھل بیتی۔"

(تمہارے درمیان میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں)

آخری جملے کو آپؐ نے تین دفعہ مکرر فرمایا۔ مولانا شبلی نعمانیؒ صحیح مسلم کی اس روایت کو نقل کرکے نسائی، مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری اور حاکم وغیرہ کے حوالے سے ایک فقرے کو مشترک قرار دیتے ہیں۔ وہ فقرہ مندرجہ ذیل ہے:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ۔

(جس کا میں مولا (آقا) ہوں علیؑ بھی اس کا مولا (آقا) ہے۔ الہیٰ! جو علیؑ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔)

علامہ سلمان منصور پوریؒ اپنی مشہور کتاب رحمۃ اللعالمین میں رقمطراز ہیں کہ اس خطبے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت علیؑ کو اس شرف پر مبارک باد دی۔ حجۃ الوداع سے واپسی پر آنحضرتؐ نے جیشِ اسامہؓ کو شام کی طرف روانگی کا حکم دیا اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کو بھی ان کے ماتحت جہاد پر جانے کا حکم فرمایا۔ یہ لشکر آپؐ کی تاکید کے باوجود مہم پر نہ جاسکا۔

ہجرت کے گیارھویں سال کا ربیع الاول وہ مہینہ تھا جس میں سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق رسالت ادا کرنے کے بعد اس جہان فانی سے کوچ فرمایا۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت نقل ہے کہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ہی امت سے فرمادیا تھا، "میں عنقریب دنیا چھوڑنے والا ہوں۔" چنانچہ رمضان المبارک میں دس دن کی بجائے بیس دن کا اعتکاف کیا۔ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؑ کو اس کی وجہ بھی بتادی کہ "میری رحلت قریب ہے۔" (۸)۔ ۲۸ صفر المظفر کو دوشنبہ کے دن مرض کا آغاز ہوا۔ بیماری میں گیارہ یوم تک تمام نمازوں میں خود امامت فرمائی۔ علامہ سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ پنج شنبہ کو مرض کی شدت ہوئی۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا، "لاؤ تمہیں لکھ دوں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔" بعض نے کہا کہ نبیؐ پر شدتِ درد غالب ہے۔ قرآن ہمارے پاس موجود ہے، اور ہم کو کافی ہے۔ اس پر آپس میں اختلاف رونما ہوا۔ کوئی کہتا تھا، "سامان کتاب لے آؤ، کہ ایسا نوشتہ لکھا جائے۔" کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ۔ جب شور و شغب بڑھا تو آنحضورؐ نے فرمایا، "سب اٹھ جاؤ۔" غرضیکہ وہ تحریر نہ لکھی جا سکی جو آنحضورؐ کے نزدیک امت کو گمراہی سے بچاتی۔ اگر تحریر لکھ لی جاتی اور اس پر عمل بھی ہوتا تو آج جو ہم امت

میں بہتر فرقے دیکھتے ہیں وہ ہرگز نہ ہوتے۔ ایک یا دو یوم قبل از رحلت حضرت ابو بکرؓ کو نماز میں امامت کا حکم ہوا۔ آخری روز جب دن چڑھا تو آپؐ نے حضرت فاطمہ کو اپنی اور ان کی رحلت کی اطلاع دی۔ پھر حضرت حسنؑ اور حضرت حسین علیہما السلام کو بلایا۔ دونوں کو چوما اور ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔ پھر ازواج مطہراتؓ کو بلوایا اور پند و نصائح سے نوازا۔ سب کے بعد حضرت علی المرتضیٰؑ کو بلایا۔ انھوں نے سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا۔ ان کو بھی نصیحت فرمائی۔ اس وقت تف مبارک سیدنا علی علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر پڑ رہا تھا۔ (۹)۔ آخر الامر ۱۲ ربیع الاول کو بوقت دوشنبہ آفتاب رشد و ہدایت غروب ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

غسل اور تجہیز و تکفین بنو ہاشمؓ نے کی۔ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تدفین عمل میں آئی۔ نماز جنازہ پہلے کنبے والوں نے، پھر مہاجرین نے اور بعدہ انصار نے دس دس اشخاص کے گروہ کی صورت میں ادا کی۔ علامہ سلمان منصور پوری کی تحقیق کی رو سے تدفین شب چہار شنبہ کو عمل میں آئی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو چار صاحبزادیاں، حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت فاطمہ الزہراؓ اور تین صاحبزادے حضرت قاسمؓ، حضرت عبداللہؓ اور حضرت ابراہیمؓ عطا فرمائے۔ مسند احمد میں مرقوم ایک حدیث کی رو سے آپؐ کی نسل حضرت علیؑ کے صلب سے چلی۔ حضرات حسنین (حسن و حسین) علیہما السلام آپؐ کے فرزندان سعید ہیں۔ چنانچہ ان حضرات سے ہی آپؐ کی نسل اس دنیا میں چلی اور بفضلہ تعالیٰ باقی ہے۔

سید البشر، خاتم النبیین، ختم المرسلین، رحمۃ للعالمین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی نوع انسان کے لیے اخلاق حسنہ کا کامل نمونہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "انک لعلیٰ خلق عظیم۔" (یعنی اے محمدؐ! آپؐ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں)۔ مسند امام اعظمؒ میں حضرت مسروقؒ سے روایت ہے کہ انھوں

نے حضرت عائشہؓ سے آنحضرتؐ کے اخلاق کے بارے میں معلومات فراہم کرنا چاہیں تو آپ نے فرمایا۔ "کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟"۔ آنحضرتؐ کی سیرت طیبہ اور حیاتِ مطہرہ ہر دو احادیث کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے محفوظ ہیں۔ آپؐ نے دنیا کے سامنے مکارم اخلاق کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ ہم سب پر لازم ہے کہ اخلاقِ حسنہ کو اپنانے میں آپ کی سنتِ مبارکہ پر عمل پیرا ہونے میں کوشاں رہیں تاکہ دنیا اور عقبیٰ ہر دو جگہ سرخروئی اور کامیابی سے بہرہ اندوز ہوں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است
(اقبالؒ)

سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند مخصوص فضائل

(۱)

"وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین"

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ (محمدؐ) کو مگر رحمت بنا کر اہل عالم کے لیے)

(۲)

"النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم و ازواجہٗ امھتھم"
(سورۃ الاحزاب)

نبی (محمدؐ) زیادہ حق رکھتے ہیں مسلمانوں پر ان کی جانوں سے اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں)

(۳)

"من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔"

(سورۃ النساء)

(جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ تعالیٰ کا)

(۴)

"قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ و یغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔

(سورۃ آل عمران، آیت ۳۱)

(کہہ دیجئے (اے محمدؐ) اگر تم (ایمان لانے والے) محبت رکھتے ہو اللہ سے تو میری (محمدؐ کی) پیروی کرو۔ محبت کرے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہیں تمہارے گناہ۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے)

(۵)

"ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی۔ یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔

(سورۃ الاحزاب، آیت ۵۶)

(بلا شبہ اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبیؐ پر۔ اے ایمان والو! تم بھی درود بھیجو آپؐ پر اور سلام بہت)

اقبالؒ

بحضور

خاتم المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(اقبال)

حضرت اقبالؒ نے "خودی" کے تین مراحل بیان کئے ہیں۔ ان میں کا مرحلہ اول "اطاعت" ہے۔ دوسرا "ضبطِ نفس" اور تیسرا "نیابتِ الہٰی" ہے۔ "اطاعت" سے علامہ اقبالؒ کی مراد آنحضرتؐ کی اطاعت ہے۔ اس اطاعت میں جتنی تکالیف و محن پیش آئیں بخوشی برداشت کرنی چاہئیں۔ چنانچہ فرمایا ہے:

شکوہ سنج سختی آئیں مشو
از حدود مصطفیٰ بیروں مرو

آنحضورؐ کی کامل اطاعت ہی مسلمان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ "ضبطِ نفس" کے مرحلے کو طے کرے۔ نیابتِ الہٰی" کو حاصل کرے اور مومن کامل (انسان کامل)

کے منصب جلیلہ پر فائز ہو۔

اقبالؒ کے خیال میں رسول اکرمؐ کی اطاعت کے بعد مسبب "یہ بحر ای" کا حصول ہی در حقیقت انسان کے عروج کا ضامن ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد ہی رضائے الٰہی کا حصول ہے جو بدون تکمیل خودی ناممکن ہے۔

اس کرہ ارض پر انسان ہی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اس خلافت کا منصب اس کی فلاح کا باعث اسی صورت میں ہوتا ہے جب وہ اسلامی شریعت پر پوری طرح عامل ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول کریمؐ کو پوری دنیا کے انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو ہر گام پر ان کی کامل اطاعت اور محبت کا حکم فرمایا ہے۔ اقبالؒ نے قرآن و کتب احادیث کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سوائے دین اسلام کے تمام ادیان باطل ہو گئے ہیں۔ اب ہم اقبالؒ کے کلام بلاغت نظام سے ان کی آنحضرتؐ سے محبت اور شوق تتبع کا جائزہ لیں گے کہ وہ بے عشق رسول سے مخمور ہو کر آپؐ کی مدحت میں کس قدر بلند آواز سے رطب اللسان ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

در بیان اینکہ
خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

طور موجے از غبار خانہ اش
کعبہ را بیت الحرام کاشانہ اش

کمتر از آنے ز اوقاتش ابد
کاسب افزایش از ذاتش ابد

بوریا ممنون خواب راحتش
تاج کسریٰ زیر پائے امتش

در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

ماند شبہا چشم او محروم نوم
تا بہ تخت خسروی خوابید قوم

وقت ہیجا تیغ او آہن گداز
دیدہ او اشکبار اندر نماز

در دعائے نصرت آمین تیغ او

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس بیان میں کہ
خودی عشق و محبت سے مستحکم ہوتی ہے

ہر دل مسلم پہ اب بھی مصطفیٰ کا راج ہے
اس کے صدقے میں ہماری آبرو کی لاج ہے

خاشہ اقدس کی مٹی ہی تو موج طور ہے
خانہ کعبہ اسے کعبہ کہے مجبور ہے

ہے ابد کم مایہ بے شک آپؐ کی اک آن سے
پاتا ہے نشو و نما وہ آپؐ ہی کی ذات سے

بوریے پر استراحت آپؐ نے فرمائی تھی
تب یہ امت قوم کسریٰ پر بھی غالب آئی تھی

آپؐ جب غار حرا میں ہو گئے خلوت نشیں
قوم کو بخشے جہاں بانی کے گر ، احکام دیں

زندگی میں آپؐ کی راتیں رہیں محروم خواب
تاکہ تخت خسروی پر قوم ہووے محو خواب

جنگ میں شمشیر ہی تھی آپؐ کی آہن گداز
آپؐ کی آنکھیں رہی تھیں اشکبار اندر نماز

آپؐ کی شمشیر گویا نصرت حق کی دعا

قاطع نسل سلاطیں تیغ او

در جہاں آئین نو آغاز کرد
مسند اقوام پیشیں در نورد

از کلید دیں در دنیا کشود
ہمچو او بطن ام گیتی نزاد

در نگاہ او یکے بالا و پست
با غلام خویش بر یک خواں نشست

در مصاف پیش آں گردوں سریر
دختر سردار طے آمد اسیر

پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود
گردن از شرم و حیا خم کردہ بود

دخترک را چوں نبی بے پردہ دید
چادر خود پیش روئے او کشید

ما ازاں خاتون طے عریاں تریم
پیش اقوام جہاں بے چادریم

روز محشر اعتبار ماست او
در جہاں ہم پردہ دار ماست او

لطف و قہر او سراپا رحمتے
آں بیاراں ایں باعدا رحمتے

کاٹ ڈالے دشمنوں کو تیغ کا تھا مدعا

سابقہ اقوام کی مسند کو ٹھکرایا گیا
اک نیا آئین اس کی جگہ پر لایا گیا

دین کی کنجی سے کھولے آپؐ نے دنیا کے در
آپؐ جیسا اس زمیں نے کب کیا پیدا بشر

آپؐ سے سیکھے زمانے نے مساواتی اصول
آپؐ دسترخوان پر کرتے غلاموں کو قبول

ایک بار اک معرکے میں رحمتِ حق کے حضور
آئی حاتم طائی کی بیٹی لئے جرم و قصور

پاؤں میں زنجیر پہنے ، سر کھلے خاتون تھی
سر جھکائے شرم سے اور دل کا پیتی خون تھی

رحمتِ عالمؐ نے جب لڑکی کو دیکھا بے ردا
اپنی چادر اس کے رُخ پر ڈال ، باپردہ کیا

خاندان طے کی اس لڑکی سے بھی عریاں ہیں ہم
دوسری اقوام کے آگے تہی داماں ہیں ہم

ہے ہماری سرخ روئی روزِ محشر آپؐ سے
اس جہاں میں ہے ہماری پردہ داری آپؐ سے

آپؐ کے لطف و غضب دونوں ہی تھے رحمت لیے
لطف اپنوں کے لیے اور قہر غیروں کے لیے

آں کہ بر اعدا در رحمت کشاد
مکہ را پیغام لا تثریب داد

ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم
چوں نگہ نور دو چشمیم و یکیم

از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنم یک صبح خندانیم ما

مست چشم ساقی بطحا ستیم
در جہاں مثل مے و مینا ستیم

امتیازات نسب را پاک سوخت
آتش او ایں خس و خاشاک سوخت

چوں گل صد برگ ما را بو یکیست
اوست جان ایں نظام و او یکیست

سر مکنون دل او ما بدیم
نعرہ بے باکانہ زد افشا شدیم

شور عشقش در نے خاموش من
می تپد صد نغمہ در آغوش من

من چہ گویم از تولایش کہ چیست
خشک چوبے در فراق او گریست

ہستی مسلم تجلی گاہ او
طورہا بالد ز گرد راہ او

فتح پا کر دشمنوں پر آپؐ کی رحمت تھی عام
بلدۂ مکہ کو لا تثریب کا بخشا پیام

ہم مسلماں ہیں وطن کی قید سے آزاد ہیں
ایک ہیں مثل نظر ، گو دیسوں میں آباد ہیں

ہم اگرچہ ہیں حجاز و چین و ایراں میں مقیم
ہم سبھی ہیں ایک شبنم اک گلستاں میں نسیم

ساقیٔ بطحا کی آنکھوں سے ملا ہم سب کو جام
مثل یک مینا و ساغر متحد ہیں سب غلام

آپؐ نے رنگ و نسل کے سب مٹائے امتیاز
نعرۂ تکبیر سے خاموش کر ڈالے وہ ساز

ایک خوشبو ہے ہماری ہم سبھی ہیں ایک پھول
وہ جو ہے جانِ دوعالم ہے وہی اپنا رسولؐ

اس کے دل کے رازِ پنہاں ہم ہوئے
نعرۂ تکبیر دوراں ہم ہوئے

عشقِ احمدؐ کی حرارت شاعری کا راز ہے
وہ محبت ہی بنائے سوز ، روح ساز ہے

کیا بتاؤں میں تجھے اس. عشق کا ہے معجزہ
خشک لکڑی میں بھی جس نے سوزِ دل پیدا کیا

آپؐ کی خاکِ سفر روشن مثالِ طور ہے
روح مسلم اس تجلی سے سدا معمور ہے

پیکرم را آفرید آئینہ اش
صبح من از آفتاب سینہ اش

در تپید دمبدم آرام من
گرم تر از صبح محشر شام من

ابر آذر است و من بستان او
تاک من نمناک از باران او

چشم در کشت محبت کاشتم
از تماشا حاصلے برداشتم

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

کشتہ انداز ملا جامیم
نظم و نثر او علاج خامیم

شعر لبریز معانی گفتہ ام
در ثنائے خواجہ گوہر سفتہ ام

نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

(۳)

مرحلہ اول - اطاعت - (۱۱)

شکوہ - سنج - سختی آئیں مشو

میرا آئینہ ہے روشن بس اسی کے نور سے
میرے دن کی ابتداء اس آفتابی طور سے

اس کا سوزِ عشق میری زندگی کا جام ہے
بیگہ محشر سے زیادہ گرم میری شام ہے

ہے اسی ابرِ کرم کے فیض سے سرسبز باغ
ساقیٔ کوثر سے روشن میکدے کا یہ چراغ

آنسوؤں سے آبیاری ، عشق کے گلشن میں کی
فصلِ گُل آئی نشاطِ وصل بس خرمن میں کی

ہے درخشندہ مدینہ ، دوجہاں سے خوب تر
اس لیے کہ اس جگہ ہیں تاجدارِ بحر و بر

ہے کلامِ حضرتِ جامی مرے دل کے قریب
آپؐ کی نظم و نثر میرے عوارض کی طبیب

میرے ان اشعار کے کوزے میں دریا بند ہے
نعتِ آنحضرتؐ کے گوہر ہیں سراسر قند ہے

دہر کا دیباچہ تو بس آپؐ ہی کی ذات ہے
کل جہاں بندے ہیں ، آقا آپؐ ہی کی ذات ہے

مرحلہ اول • اطاعت •

شریعت کی سختی کا شکوہ نہ کر

از حدودِ مسکن بیروں مرو

مرحلہ سوم۔ نیابتِ الٰہی

اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدہ امکاں بیا

رونقِ ہنگامہ ایجاد شو
در سوادِ دیدہ ہا آباد شو

شورشِ اقوام را خاموش کن
نغمہ خود را بہشتِ گوش کن

خیز و قانونِ اخوت ساز دہ
جامِ صہبائے محبت باز دہ

باز در عالم بیار ایامِ صلح
جنگجویاں را بدہ پیغامِ صلح

نوعِ انساں مزرع و تو حاصلے
کاروانِ زندگی را منزلے

ریخت از جورِ خزاں برگِ شجر
چوں بہاراں بر ریاضِ ما گذر

سجدہ ہائے طفلک و برنا و پیر
از جبینِ شرمسارِ ما بگیر

از وجودِ تو سرافرازیم ما

حدودِ شریعت سے دھوکا نہ کر

مرحلہ سوم - نیابتِ الٰہی

آئیے اے وقت کے مرکب پہ بیٹھے شہسوار
آئیے اے قدرتِ حق کے جہاں کے تاجدار

رونقِ بزمِ جہاں کو پھر دوبالا کیجئے
آئیے سرکار! آنکھوں میں اجالا کیجئے

شورشوں نے پھر جہاں میں سر اٹھایا ہے حضور
پھر بہشتی ساز و نغمہ سے عطا کیجے سرور

پھر عطا فرمائیے آکر اخوت کا وہ جام
تاکہ سرشارِ محبت ہو سکے ہر اک غلام

اس جہاں میں لائیے پھر سے سکوں کا انقلاب
شر پسندوں کو عطا کیجے محبت کا گلاب

آپؐ ہیں انسان کی کھیتی کا خرمن مصطفیٰ
اور بہارِ زندگی کا باغ و گلشن مصطفیٰ

گلشنِ اسلام پر اب تو خزاں کا راج ہے
اس کی اے جانِ بہاراں تیرے ہاتھوں لاج ہے

آپؐ ہی کے منتظر ہیں بوڑھے بچے اور جواں
جلوہ گر ہو جائیے اب جاں بہ لب ہیں ناتواں

آپؐ کی نسبت سے ہے دنیا میں اپنی آبرو

پس بہ سوز ایں جہاں سوزیم ما

(۴)

در معنی ایں کہ
پختگی سیرت ملیہ از اتباع آئین الہیہ است

علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست
اصل سنت جز محبت ہیچ نیست

ہست دین مصطفیٰ دین حیات
شرع او تفسیر آئین حیات

خلاصۂ مطالب مثنوی
در تفسیر سورۂ اخلاص

اللہ الصمد

از پیام مصطفیٰ آگاہ شو
فارغ از ارباب دون اللہ شو

(۳)

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشۂ دامان اوست

زانکہ ملت را حیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست

آپؐ ہی کے عشق کی دل میں تڑپ اور جستجو

اس مضمون کی وضاحت میں کہ
کردار کی پختگی شریعت کے اتباع میں ہے

نبیؐ کی محبت ہے سنت کی جان
یہی علم حق ہے، شریعت کی کان

محمدؐ کا دیں ہے، مکمل حیات
نبیؐ کی شریعت ہے شمع حیات

مطالبِ مثنوی کا خلاصہ
سورہ اخلاص کی تفسیر کی صورت میں

اللہ الصمد

محمدؐ کے پیغام کو جان لے
بس اللہ کو اپنا رب مان لے

درحقیقت جو کوئی عشق محمدؐ پا گیا
یوں سمجھئے خشک و تر قبضے میں اسکے آ گیا

ہے عشق محمدؐ سے ملت میں جاں
اسی عشق سے ہے یہ روشن جہاں

تب و تاب بت کدہ عجم نرسد بسوز و گداز من
کہ بیک نگاہ محمد عربی گرفت حجاز من

(۱۵)

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نوا خواں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بہ فکر آشیانہ

(۱۶)

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم
من و تو کشتۂ شان جمالیم
دو حرفے بر مراد دل بگوئیم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

(۱۷)

بمنزل کوش مانند مہ نو
دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

(۱۸)

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

(۱۹)

نجم کی چمک اور دمک خام ہے
نگاہ محمدؐ مرا جام ہے

اس ضعیفی میں مدینے کی طرف پرواز ہے
عشق ہی ہے سوز نغمہ عشق اپنا ساز ہے
ایک پنچھی کی طرح جنگل میں وقت شام ہوں
آشیانے کی تمنا ہی مری دمساز ہے

آ میرے دوست بیٹھ کر آنسو بہائیں ہم
اس پیکر جمال پر قربان جائیں ہم
اس در پہ جا کے عرض کریں داستان دل
آنکھوں سے پاؤں چوم کر آنکھیں سجائیں ہم

چاند تاروں کی طرح منزل کو تو پرواز کر
چرخ نیلی فام میں ہر روز سر افراز کر
گر تجھے الفت کی جنت میں جگہ مطلوب ہو
حق سے سچا پیار کر اور مصطفیٰ دمساز کر

مصطفیٰ سے عشق کر ، کہ وہ سراپا دین ہے
اس سے منہ کو موڑنا ، بولہب کا آئین ہے

علامہ اقبال کے اردو اشعار

در مدحتِ خیر الانامؐ

بانگِ درا

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

بالِ جبریل

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا

عشق تمام مصطفیٰ ، عقل تمام بولہب

باقیاتِ اقبال

علم و حکمت کے مدینے کی کشش ہے مجھ کو
لطف دے جاتا ہے کیا کیا مجھے ناداں ہونا

زندگی تجھ سے ہے اے فخر براہیم اپنی
کر دعا حق سے کہ مشکل ہوا جینا اپنا

بزمِ عالم میں طرازِ مسندِ عظمت ہے تو
بہرِ انساں جبرئیل آیہ رحمت ہے تو
اے دیارِ علم و حکمت ، قبلہ امت ہے تو
اے ضیاءِ چشم ایماں ، نسخہ ہر ملت ہے تو
درد جو انساں کا تھا وہ تیرے پہلو سے اٹھا
قلزمِ جوشِ محبت تیرے آنسو سے اٹھا

تذکرہ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام

یعسوب الاسلام، حیدرِ کرار، فاتح بدر و احد و حنین، خیبر شکن، قاتل عمرو بن عبدود، قاطع کفر و شرک و طغیان، امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام آنحضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے نو سال قبل (۳۱ عام الفیل) منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ بعض روایات کی رو سے خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی سیدنا حضرت ابو طالبؓ تھے جنھوں نے اپنی پوری زندگی رسول مقبولؐ کی پرورش و پرداخت اور حمایت و پشت پناہی میں گزار دی اور آنحضرتؐ اور دین اسلام کے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ آپ کی والدہ محترمہ سیدہ فاطمہؓ بنتِ اسد، آنحضورؐ پر بڑی شفقت فرمایا کرتی تھیں۔ آپؐ بھی ان سے والہانہ محبت فرماتے تھے اور انھیں بمنزلہ والدہ گرامی گردانتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو اپنا کرتہ کفن کے لیے عطا فرمایا اور قبر میں چند لمحات کے لیے خود بھی لیٹے۔ آپؐ ان کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ ابو طالبؓ کے بعد ان سے بڑھ کر میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا کوئی نہ تھا (۳۰)۔ گردشِ زمانہ کی وجہ سے حضرت ابو طالبؓ کی مالی حالت اچھی نہ رہی۔ آنحضرتؐ نے اپنے شفیق چچا کا بار ہلکا کرنے کے لیے حضرت علیؓ کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری خود سنبھال لی۔ آغوشِ نبوت میں پرورش پانے کا ہی یہ اثر تھا کہ آپ کا دامن زمانۂ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے قطعی طور پر پاک رہا۔ چنانچہ تربیت کے اثر اور سلیم الطبعی کے سبب آپ آنحضرتؐ کے منصبِ نبوت پر سرفراز

پہلے ہی آنحضورؐ کی نبوت پر ایمان لے آئے ۔ آپ کی سبقت ایمان مسلم ہے ۔ ابن اسحٰق سیدہ خدیجہؓ کے بعد حضرت علیؑ کے ایمان لانے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"پھر لوگوں میں جس کے ایمان لانے، رسول اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی تصدیق کا ذکر ہوا، وہ علی ابن ابی طالب ہیں ۔ یہ اس وقت دس سال کے تھے ۔ علیؑ پر اللہ کی نوازش تھی کہ رسولؐ اللہ انھیں اسلام کے آغاز سے پہلے ہی اپنی تربیت میں لے چکے تھے (۲۱) ۔"

ابن ہشام، ابن اسحٰق اور ابن کثیر نے اس باب میں عفیف کی ایک روایت نقل کی ہے ۔ کہتے ہیں کہ جب ابو طالبؑ پر حضرت علیؑ کے ایمان لانے کا راز کھل گیا تب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب علیؑ اور سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ خانۂ کعبہ میں آتے اور وہاں یہ تینوں مل کر نماز پڑھتے اور کبھی کبھی کیا بلکہ اکثر قریش اور باہر سے آنے والوں کی نگاہیں ان پر پڑ جاتیں ۔ عفیف کے دریافت کرنے پر حضرت عباسؓ نے فرمایا، "بخدا، مجھے روئے زمین پر ان تینوں کے سوائے کسی شخص کا علم نہیں ہے جو اس دین کا ماننے والا ہو ۔"

ابن اسحٰق نے اس سلسلے میں کئی روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد ایمان لانے والے حضرت علیؑ ہی ہیں ۔ طبری کی روایت ابن عباس سے ہے کہ "قال اول من صلی علی" (کہا پہلے جس نے نماز پڑھی وہ علیؑ تھے) ۔ حضرت جابرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ "رسولؐ اللہ پیر کے دن مبعوث ہوئے اور علیؑ نے منگل کے دن نماز پڑھی ۔ علاوہ ازیں زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ پر سب سے پہلے علی ایمان لائے ۔" ابو حازم اور الکلبی کا قول ہے کہ، "حضرت علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے ۔" الکلبی اور طبری کے نزدیک حضرت علیؑ اسلام لانے کے وقت نو سال کے تھے لیکن البتہ مجاہد نے آپ کی

نہ دس سال لکھی ہے ۔ محمد بن کعب کا قول ہے کہ پہلے دو آدمی جو مسلمان ہوئے وہ ابو بکرؓ و علیؓ ہیں ۔ علیؓ ابو بکرؓ سے پہلے ایمان لائے تھے ۔ لیکن اپنے باپ کے خوف سے اپنے اسلام لانے کو پوشیدہ رکھتے تھے ۔ یہاں تک کہ ان کے باپ ان سے ملے اور کہا ۔ اپنے چچیرے بھائی کا بوجھ ہلکا کرو اور ان کے کام آؤ ۔ مسعودی کہتے ہیں ، اکثر لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے کبھی شرک نہیں کیا ۔ وہ اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مسلک سے آشنا ہی نہیں ہوئے ۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فعل و عمل کے تابع تھے اور اسی پر وہ بالغ ہوئے ۔ علماء نے اس باب میں اختلاف کیا ہے ۔ ایک کثیر جماعت حضرت خدیجہؓ کے سابق الایمان ہونے کی قائل ہے ۔ جیسا کہ ابو الفدا کا مسلک ہے ۔ دوسری جماعت حضرت علیؓ کی سبقت اسلام کی مدعی ہے ۔ ابن خلدون حضرت خدیجہؓ کے اسلام لانے کے بعد اسی اور بعد ازاں حضرت علیؓ کے ایمان کے قائل ہیں ۔ فرماتے ہیں ۔ " پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ان کے چچا کے بیٹے علی ابن ابی طالب ایمان لائے ۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پرورش میں تھے ۔ اس مالی صعوبت کے وقت جو قریش کے حصے میں آئی تھی ۔ علیؓ ایمان لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ شعاب میں اپنے باپ سے چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے ۔ یہاں تک کہ یہ بات ظاہر ہو گئی ۔ الحاصل تمام روایات سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ حضرت علیؓ نے رسولؐ کریم کے نبی مبعوث ہوتے ہی اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا

جب آنحضرتؐ کو بارگاہ ایزدی سے حکم ہوا:

" انذر عشیرتک الاقربین ...... الخ

(اے محمدؐ اپنے قرابتداروں کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلائیے اور اپنے کندھے جھکائیے ان کے لیے جو مومنین میں سے آپ کا اتباع کریں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و آلہٖ وسلم نے باری تعالیٰ کے حکم کے تحت اپنے قریبی

رشتہ داروں (بنو ہاشم) کو ایک دعوت پر مدعو کیا، جس کا انتظام حضرت علیؑ کے سپرد ہوا۔ حضرت علیؑ نے حسب الارشاد ضیافت کا انتظام کیا۔ طعام سے فراغت کے بعد جب آنحضورؐ نے اظہار مقصد کا ارادہ فرمایا تو ابولہب نے لوگوں کو منتشر کر دیا۔ دوسرے دن پھر دعوت کی گئی۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آنحضرتؐ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: "اے بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم میں جوانان عرب میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا کہ وہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس تمہارے دین و دنیا کی ایسی خبر لایا ہو جیسی میں لایا ہوں۔ خدائے تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں اس کی طرف بلاؤں۔ پس تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اس کام میں میری اعانت کرے؟ وہی شخص میرا بھائی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہوگا۔" آنحضرتؐ کا یہ ارشاد سن کر تمام حاضرین خاموش ہو گئے اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ "میں یہ دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے کہا، باوجودیکہ میں سب لوگوں سے چھوٹا ہوں، پھر میں آشوب چشم کا مریض بھی ہوں، میرا پیٹ بڑا ہے، میری پنڈلیاں بھی پتلی ہیں، اور میں جسمانی حیثیت سے بھی کمزور ہوں، مگر بایں ہمہ یا رسول اللہ! میں اس امر میں آپؐ کی امداد اور اعانت کروں گا۔" یہ سننے کے بعد آنحضرت نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "یہ تم لوگوں میں میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔ اس کی باتیں سنو اور اس کی اطاعت کرو۔" (۲۲)

حضرت علیؑ نے دعوت ذوالعشیرہ میں جو وعدہ کیا تھا اسے ہر طرح پورا کر دکھایا۔ وہ ہمیشہ آنحضورؐ کی حمایت و نصرت میں جان کی بازی لگاتے رہے۔ شعب ابو طالبؑ میں تین سال تک قید و بند اور فاقے کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جب آنحضرتؐ نے ہجرت مدینہ کا قصد فرمایا تو شب بھر آپ ہی آنحضورؐ کے بستر پر سوئے اور اپنی جان کی پرواہ نہ کی (۲۳)۔

دوسری صبح آپ نے صادق و امین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس رکھی

ہوئی تمام امانتیں متعلقہ لوگوں کو واپس کیں اور پا پیادہ منازل طے کرتے ہوئے آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپؐ کے ساتھ ہی قیام کیا۔ جب مدینے پہنچے پر مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کرائی گئی۔ نوے مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے بھائی بنائے گئے۔ بعدہ رسول مقبولؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا، "ھذا اخی" (یہ میرا بھائی ہے)۔ حضرت جعفر اور حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کے درمیان بھی مواخات کا رشتہ قائم کیا۔ دوسرے مہاجرین کا بھی انصار سے بھائی چارہ قائم کیا گیا (۲۴)۔

اس مقام پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ بھی تو آنحضورؐ کے ویسے ہی چچازاد بھائی تھے جیسے کہ حضرت علیؓ۔ پھر وہ کونسی خاص وجہ تھی کہ حضرت جعفرؓ کا ایک انصاری سے بھائی چارہ کرایا گیا اور حضرت علیؓ اور خود اپنا بھائی چارہ قائم کیا جبکہ ہر دو مقدس ہستیاں مہاجر تھیں۔

غزوۂ بدر رمضان المبارک ۲ھ میں وقوع پذیر ہوا، جس میں آپ نے خوب داد شجاعت دی۔ اسی سال ذی الحجہ میں حضرت فاطمہؓ کی تزویج حضرت علیؓ سے ہوئی بقول ابن سعد سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے اور بعد میں حضرت عمرؓ نے تزویج فاطمہ کے لیے درخواست کی۔ لیکن آنحضرتؐ نے فرمایا، "جو خدا کا حکم ہوگا"۔ بہر حال حضرت علیؓ نے جو درخواست گزاری، آنحضورؐ نے بطیب خاطر منظور فرمائی۔ چنانچہ جب شادی بخیر و خوبی سرانجام پا گئی اور حضرت فاطمہؓ اپنے نئے گھر میں منتقل ہو گئیں تو آنحضرتؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت طلب کی اور داخل خانہ ہوئے۔ پھر برتن میں پانی منگوایا اور دونوں ہاتھ اس میں ڈالے۔ بعدہ حضرت علیؓ کے سینے اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا، "میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔ (۲۵)

غزوۂ احد ۳ھ میں پیش آیا۔ اس حق و باطل کی معرکہ آرائی میں بھی

حضرت علیؑ نے نمایاں جانثاری کا ثبوت دیا۔ مشرکین کے بارہ علمبرداروں میں سے آٹھ کو بنفس نفیس واصل جہنم کیا۔ ابو رافع سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے احد کے دن مشرکین کے علمبرداروں کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مشرکین کی ایک جماعت پر پڑی۔ آپؐ نے حضرت علیؑ سے کہا، "ان پر حملہ کرو۔" انھوں نے حملہ کرکے اس جماعت کو منتشر کر دیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا، "یہ ہے ہمدردی۔" آپؐ نے فرمایا، "بے شک علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔" اور جبرئیلؑ نے کہا، "میں آپ دونوں کے ساتھ تیسرا ہوں۔" حضرت رسول مقبولؐ کے زخموں کو حضرت فاطمہؑ نے دھویا جبکہ حضرت علیؑ اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے رہے۔ خون بند ہونے میں نہ آتا تھا۔ حضرت فاطمہؑ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں میں بھری تب جا کر خون بند ہوا۔ (۲۹)

مشرکین سے معرکہ آرائی کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ چنانچہ ۵ھ میں مشرکین عرب نے پوری قوت کے ساتھ مدینے پر حملہ کر دیا آنحضورؐ نے حضرت سلمان فارسی کی تجویز پر خندق کھدوائی۔ مشرکین کی فوجوں نے خندق کے دوسری طرف پڑاؤ ڈال دیا۔ ان کے جنگجو خندق پار نہ کر سکے کہ جنگ کی طرح ڈال سکیں۔ ایک دن عمرو بن عبدود، جو بڑا بہادر تھا اور سارے عرب میں مشہور تھا، دوسرے تین بہادروں کے ساتھ خندق پار کر گیا۔ عمرو بن عبدود نے کہا، "ہے کوئی جو ہمارے مقابل ہو۔" مسلمانوں کی صف میں سے کوئی اس کے سامنے نہ نکلا۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ "ہے کوئی جو اس کو یہاں سے ہٹا دے؟" حضرت علیؑ بولے، "یا حضرت! مجھے رخصت کیجئے۔" حضرت نے ایک دم چپ ہو کر پھر فرمایا، "ہے کوئی جو اس دشمن کو دفع کرے۔" پھر بار دیگر حضرت علیؑ نے کہا، "مجھے رخصت فرمائیے تو میں جا کر اس کا مقابلہ کروں۔" آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے شمشیر ذوالفقار حضرت شاہ ولایت کے گلے میں حمائل کی اور اپنی زرہ پہنائی اور اپنی دستار خاص ان کے سر پر رکھی اور جناب الٰہی میں دعا مانگی کہ اے پروردگار علی کی

مد. کر اور اسے کامیاب کر عمرو عبدود کے بیٹے پر۔" یہ دعا مانگ کر انھیں رخصت کیا۔(۲۷)

حضرت علیؑ نے عمر بن عبدود کو جو بڑے طمطراق سے آیا تھا، واصل جہنم کر دیا۔ بہر حال موسم کی سختی، آندھی کا زور اور رسد کی قلت سے تنگ آکر ابو سفیان اپنی فوج سمیت میدان چھوڑ گیا۔ جنگِ خندق میں ناکامی سے قریش کے حوصلے پست ہو گئے۔ ۶ھ میں حدیبیہ کی صلح طے پائی۔ ۷ھ میں خیبر کا معرکہ پیش آیا، جس میں قلعہ قموص فتح ہونے میں نہ آتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تحت قتال کے بعد واپس لوٹ چکے تھے۔ طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعے سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ جم سکے اور حضور کی خدمت میں فوج کی نامردی کی شکایت کی۔ لیکن فوج نے ان کی نسبت یہی شکایت کی۔ جب فتح میں تاخیر ہوئی تو رسول مقبولؐ نے فرمایا، "کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسولؐ کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسولؐ اس کو چاہتے ہیں۔(۲۸)

حضرت عمرؓ کو بھی باوجود قناعت پسند اور بلند نظر ہونے کے اس اعلان پر سرداری کی تمنا ہوئی۔ صبح کو آنحضورؐ نے حضرت علیؑ کو طلب فرمایا۔ ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا، جس سے آشوب جاتا رہا۔ حضرت علیؑ نے قلعے پر حملہ کیا۔ مرحب بڑے جوش و خروش سے آگے بڑھا۔ لیکن ذوالفقارِ حیدری نے اسے ٹھنڈا کر دیا۔ مرحب کے قتل پر قلعہ فتح ہو گیا۔(۲۹)

خیبر کی فتح سے یہودیوں کی طاقت پارہ پارہ ہو گئی۔ قریش کے معاہدہ حدیبیہ منسوخ کرنے پر ۸ھ میں مکے پر فوج کشی کی گئی اور بلا کسی مدافعت اور خون ریزی کے مکہ فتح ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا، "لا تثریب علیکم الیوم" اور اپنے تمام دشمنوں کو معاف فرما دیا۔ اسی سال غزوہ حنین پیش آیا جس میں مسلمانوں کو پہلے شکست اور بعد میں فتح حاصل ہوئی۔ اس غزوے میں بھی حضرت علیؑ نے

حسبِ معمول بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے لیے آنحضورؐ نے روانگی فرمائی۔ یہی وہ واحد غزوہ ہے جس میں حضرت علیؑ کو اہل حرم کی حفاظت کے لیے مدینے چھوڑا گیا۔ حضرت علیؑ پر غزوہ کی شمولیت سے محرومی بہت شاق گزری۔ آپ نے آنحضرتؐ سے شمولیت کی اجازت چاہی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ "کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔" (۳۰)

اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ تبوک میں جنگ ہی نہ ہوئی اور آنحضرتؐ کامران و کامگار واپس تشریف لائے۔ اسی سال حج کے موقعہ پر حضرت علیؑ نے سورۃ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور آنحضرتؐ کی طرف سے اعلان کیا کہ اب کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور نہ ہی برہنہ طواف کر سکے گا۔ اور مشرکین سے کئے ہوئے تمام معاہدے اس تاریخ سے چار ماہ بعد ٹوٹ جائیں گے۔ اسی سال نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینے آیا۔ آیتِ مباہلہ نازل ہوئی چنانچہ آنحضورؐ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو ہمراہ لے کر مباہلے کے لیے نکلے۔ عیسائیوں نے مباہلہ نہ کیا اور سالانہ خراج کی ادائیگی پر صلح کر لی۔ (۳۱)

۱۰ھ میں حضرت علیؑ یمن بھیجے گئے۔ اسی سال آنحضورؐ نے آخری حج ادا فرمایا۔ حضرت علیؑ نے یمن سے آکر آپ کے ساتھ ہی فریضہ حج ادا کیا۔ وہاں سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر آنحضرتؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ لوگوں کو اہل بیت اطہارؑ کی شان سے آگاہ کیا اور ان سے مودت کا حکم فرمایا۔ نیز حضرت علی سلام اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔" (جس کسی کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے۔) اس خطبے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے علی المرتضیٰ کو اس شرف پر مبارک باد دی۔ (۳۲)

حضرت علیؑ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص تعلق خاطر تھا

چنانچہ حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ جب نبیؐ غصے میں ہوتے تو کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی سوائے علیؑ بن ابی طالبؑ کے (۳۳)۔ آنحضرتؐ کا آپ سے یہ خصوصی تعلق خاطر، رشتہ داری کی وجہ سے ہرگز نہ تھا بلکہ اس کی حقیقی وجہ حضرت علیؑ کے جوہر قابل کی قدردانی تھی۔ حضرت علیؑ ہی وہ قابل قدر ہستی ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں پانچ بار رشتہ مواخات کے قیام کا اعادہ فرمایا۔ اور اس طرح حضرت علیؑ کی جملہ مومنین پر فضیلت جتلائی۔ پہلی بار دعوتِ ذوالعشیرہ میں حضرت علیؑ کو اپنا بھائی، وزیر اور وارث قرار دیا (۳۴)۔ دوسری بار جب مکے میں مواخات قائم کی تو حضرت علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا (۳۵)۔ تیسری دفعہ جب آنحضورؐ ہجرت کرکے مدینے پہنچے اور مہاجرین و انصار کا آپس میں خصوصی طور پر ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرایا تو اس وقت بھی حضرت علیؑ کو اپنا بھائی بنایا اس حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی کہ ہر دو مہاجر تھے (۳۶)۔ چوتھی بار غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ کو بمنزلۂ ہارون بتاتے ہوئے بھائی قرار دیا۔ (۳۷) اور پانچویں دفعہ غدیر خم پر جبکہ آپؐ نے یہاں تک کہہ دیا کہ "جس کا میں آقا ہوں اس کا علیؑ بھی آقا ہے۔ یا اللہ! تو اس شخص سے محبت رکھ جو علیؑ سے محبت رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو اس سے دشمنی رکھے (۳۸)۔ آنحضرتؐ کے وصال پر آپؑ نے ہی غسل اور تجہیز و تکفین کے فرائض انجام دئے۔ الحاصل شروع سے لے کر آخر تک آپؑ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو بوقتِ ضرورت مفید اور نیک مشورے دئے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اہل مدینہ نے ۳۵ھ میں آپؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی اور آپ کو خلیفہ مقرر کر دیا گیا۔ آپ نے خلیفہ ہوتے ہی ان عمال کو برطرف کر دیا جن کی سختی کے عوام جائز طور پر شاکی تھے۔ حضرت ابن عباس نے آپ کو مشورہ دیا کہ ابھی معاویہ کو معزول نہ کیجئے۔ اگر وہ اپنے عہدے پر قائم رہیں گے تو ان کو اس بات کی پرواہ نہ ہوگی کہ خلیفہ کون ہے۔ اگر وہ

معزول کر دیے گئے تو عثمانؓ کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور سارے شام اور عراق کو آپ کے خلاف کر دیں گے۔ لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ قبول نہ فرمایا (۳۹)۔ چنانچہ حضرت معاویہ نے وہی کیا جس کا حضرت عباسؓ کو خطرہ تھا۔ وہ حضرت عثمان کے قصاص کا بہانہ لے کر حضرت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کو حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے قصاص عثمان کے لیے کھڑا کیا۔ چنانچہ جنگ جمل وقوع پذیر ہوئی۔ جس میں حضرت علیؓ کو فتح نصیب ہوئی۔ حضرت عائشہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے اپنی فروگذاشت تسلیم کر لی۔ حضرت عائشہؓ کو اس امر پر تمام عمر ندامت رہی۔ جب اس کا تذکرہ آتا تو زار و قطار رونے لگتیں اور فریاد کرتی تھیں کہ کاش میں آج سے بیس برس قبل دنیا سے اٹھ گئی ہوتی۔ (۴۰)

درحقیقت یہ حضرت عائشہؓ کی اجتہادی غلطی تھی۔ بعدہ اس سلسلے میں جنگ صفین لڑی گئی، جو عمرو بن العاص کی شاطرانہ چال سے تحکیم پر منتج ہوئی۔ تحکیم میں عمرو بن العاص، امیر معاویہ کے نمائندے تھے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت علیؓ کی طرف سے نمائندگی کی۔ یہاں بھی عمرو بن العاص نے اپنی عیاری کا بھرپور ثبوت دیا اور حضرت علی المرتضیٰؓ کو معزول اور معاویہ کو مقرر کرنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تحکیم کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ حضرت علیؓ کی فوج میں اختلاف رونما ہوا اور خوارج علیحدہ ہو گئے۔ بعدہ تمام خوارج نہروان کے مقام پر حضرت علیؓ کے مقابلے میں صف آرا ہوئے اور سخت مقابلہ کیا۔ تاہم خارجیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی اور جماعتی طور پر قریب قریب تباہ ہو گئے۔

سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناصر، دین اسلام کے محافظ، مومنین کے آقا، زوج بتولؓ اور حسنینؓ کے والد گرامی سیدنا اسد اللہ الغالب حضرت علی علیہ السلام تریسٹھ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ عبدالرحمن ابن ملجم نامی شقی ازلی خارجی کی زہر آلود تلوار سے زخمی ہوئے اور ۲۰ رمضان المبارک شب یک شنبہ ۴۰

ء کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف مراجعت فرما گئے ۔ اس طرح یہ ماہتاب رشد و ہدایت بھی غروب ہو گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے انتقال کے بعد کئی شادیاں کیں اور ان سے بکثرت اولاد ہوئی ۔ حضرت فاطمہؑ سے امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت زینبؑ، حضرت ام کلثومؑ اور حضرت محسنؑ پیدا ہوئے ۔ محسن نے بچپن میں ہی انتقال کیا ۔ دوسری ازواج سے پندرہ لڑکے اور سولہ لڑکیاں پیدا ہوئیں ۔ حضرت سلمان منصور پوری بحوالہ عمدۃ المطالب فی نسل ابی طالب رقمطراز ہیں کہ اس وقت صرف پانچ بیٹوں، امام حسنؑ، امام حسینؑ، محمد حنفیہؒ، عباسؑ اور عمر الاطراف کی نسل موجود ہے ۔

حضرت علی علیہ السلام کا زہد و تقویٰ مشہور انام تھا ۔ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ وہ (علیؑ) قائم اللیل اور صائم النہار تھے ۔ انفاق فی سبیل اللہ آپ کا نمایاں وصف تھا ۔ ابن جریر کے نزدیک کلام اللہ کی آیت:

" و یطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیراً ہ .... (سورۃ الدہر)

آپ کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ آپ اعلیٰ درجہ کے امین تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسول مقبولؐ مکے سے مدینے کو ہجرت فرمانے لگے تو آپ کو ہی اپنی طرف سے مشرکین کی امانتیں واپس کرنے کے لیے مقرر فرمایا ۔ نیز ایک حج کے موقع پر سورۃ برأت کی چالیس آیتیں سنانے اور مشرکین سے اعلان برأت کرنے کا شرف حضرت ابو بکرؓ سے واپس لے کر آپ کو عطا فرمایا ۔ آپ کے تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ رسول مقبولؐ نے فرمایا، " انا مدینۃ العلم و علی بابہا " (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے) ۔ آپ کو آنحضورؐ نے بلند پایہ قاضی قرار دیتے ہوئے فرمایا، " اقضاکم

علیؓ " (تم میں حضرت علیؓ سب سے بڑے قاضی ہیں ۔) تصوف کا سرچشمہ آپ کی ذات ستودہ صفات سے ہی جاری ہوا ۔ آپ فصحائے عرب میں ممتاز درجہ رکھتے تھے چنانچہ نہج البلاغہ میں آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ قرار دئے گئے ہیں ۔ فن نحو کی بنیاد بھی آپ نے ہی رکھی اور سب سے پہلے ابوالاسود دولی کو چند اصول تلقین فرمائے ، جس نے ان اصولوں کی روشنی میں عربی قواعد مرتب کئے ۔ شجاعت و شہامت آپ کا امتیازی وصف تھا ۔ چنانچہ تلواروں کے دستوں پر عموماً:

لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

(علیؓ جیسا کوئی جوان نہیں ہے اور ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں ہے ۔) سنہری حروف میں کندہ کرایا جاتا رہا ۔ پرانے زمانے کی جو تلواریں عجائب گھروں کی زینت ہیں ان میں بعض پر یہ کلمہ سنہری حروف میں اب تک پڑھا جا سکتا ہے ۔ آپ فطرتاً سلیم الطبع تھے ۔ آپ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ تربیت پا کر جوان ہوئے تھے ۔ جوہر قابل پہلے ہی تھا ، چنانچہ آپ کی شخصیت خلق محمدی کا پیکر اور اسلامی تعلیمات کا مرقع تھی ۔

ہمارے پاکستان کا سب سے اعلیٰ فوجی ایوارڈ "نشان حیدر" ہی ہے ۔

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کے چند مخصوص فضائل

(۱)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھنا ہوا پرندہ رکھا ہوا تھا۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ میرے پاس اس شخص کو بھیج دے جو تجھ کو اپنی مخلوق میں سب سے پیارا ہو تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندے کو کھائے۔ اس دعا کے بعد آپ کی خدمت میں حضرت علیؑ حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ پرندے کا گوشت کھایا۔

(مشکوۃ المصابیح بحوالہ ترمذی شریف)

(۲)

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت علیؑ سے کوئی منافق محبت نہیں رکھتا اور کوئی مومن بغض نہیں رکھتا۔

(ترمذی شریف)

(۳)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "میرے پاس سردار عرب کو بلاؤ۔" میں نے کہا، "کیا آپ سید العرب نہیں؟" آپ نے فرمایا، "میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور علیؑ سید العرب ہیں"

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء)

(۴)

محمد بن اسامہ بن زیدؓ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اے علی! تم میرے داماد اور

میرے بیٹے کے باپ ہو۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔"

(ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء)

(۵)

حبشی بن جنادہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،
"علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ میری جانب سے کوئی عہد نہ کرے، نہ کوئی معاہدہ کرے مگر میں خود یا میری جانب سے علیؑ۔"

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی و احمد)

اقبال

اور حب

امیرالمومنین حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام

فیض اقبال ہے اسی در کا
بندو شاہ لا فتی ہوں میں
(اقبال)

علامہ اقبال کو جہاں رسول کریمؐ سے بے پناہ عشق تھا وہاں حضرت علی المرتضیٰ سے بھی والہانہ محبت اور انتہائی عقیدت تھی۔ آپ نے قرآن کریم، کتب احادیث، اسلامی تاریخ اور صوفیائے کرام کی تصانیف کے مطالعہ کا ماحصل یہ قرار دیا کہ دین اسلام کا قیام آنحضرتؐ کا کارنامہ تھا اور اس دین کی حفاظت و نگہداشت حضرت علیؑ کا شاہکار۔ وہ بزرگ و برتر شخصیت جس نے رسول اکرمؐ اور دین اسلام کی نصرت میں جان کی بازی لگائے رکھی حضرت علی المرتضیٰؑ کی ذات ستودہ صفات ہی تھی۔ اقبال اس حقیقت باہرہ سے بخوبی واقف ہو چکے تھے کہ حضرت علی متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلامی خدمات کے معاملے میں جملہ صحابہ کرام پر بدرجہ کمال فوقیت و برتری رکھتے ہیں۔ آپ نے دیگر صحابہ کرام کی مدحت بھی کی ہے مگر ہم ان کے کلام میں وہ وارفتگی اور جوش عقیدت نہیں پاتے

جو حضرت علیؑ کی منقبت میں جاری و ساری ہے۔ حضرت علیؑ کی منقبت میں آپ یہاں تک مست و بیخود ہوتے ہیں کہ بعض اوقات مدحت کی آخری حدوں کو بھی پار کر جاتے ہیں۔ آئیے اب ہم آپ کے جوشِ عقیدت اور اتھاہ محبت کا جائزہ آپ کے کلام سے لیں:

در شرح اسرار اسمائے علی المرتضیٰ

مسلم اول شہ مرداں علیؑ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ

از ولائے دودمانش زندہ ام
در جہاں مثل گہر تابندہ ام

نرگسم وارفتۂ نظارہ ام
در خیابانش چو بو آوارہ ام

زمزم ار جوشد ز خاک من ازوست
مے اگر ریزد ز تاک من ازوست

خاکم از مہر او آئینہ ام
می تواں دیدن نوا در سینہ ام

از رخ او فال پیغمبر گرفت
ملت حق از شکوہش فر گرفت

قوت دین مبیں فرمودہ اش
کائنات آئیں پذیر از دودہ اش

مرسل حق کرد نامش بوتراب

حضرت علی المرتضیٰ کے اسماء کے اسرار کی شرح

مسلم اول بھی ہیں اور ہیں شہ مرداں علیؓ
عشق حق کا اصل میں سرمایہ ایماں علیؓ

خاندان مرتضیٰ کے عشق سے زندہ ہوں میں
ایک موتی کی طرح دنیا میں تابندہ ہوں میں

مثل نرگس چہرہ اقدس کے نظارے میں گم
اس چمن میں مثل خوشبو پھر رہا ہوں دم بدم

خشت مشکیزے میں زمزم ہے اسی فیاض سے
ساغر سے لے کے پیتا ہوں نگاہ ناز سے

اس نگاہ ناز نے مٹی کو آئینہ کیا
دیکھ لو اس نور نے روشن مرا سینہ کیا

دین حق کی فتح و نصرت کا ستارہ تھا علیؓ
اور کتاب شان حق کا شاہ پارہ تھا علیؓ

آپ شاہ لا فتیٰ ہیں آپ کی ہے ذوالفقار
آپ کے بیٹوں کے دم سے روئے حق پر ہے نکھار

آپ ہی کو مصطفیٰؐ نے نام بخشا بوتراب

حق یداللہ خواند در ام الکتاب

هر که دانائے رموز زندگیست
سر اسمائے علیؑ داند که چیست

خاکِ تاریکے که نام او تن است
عقل از بیدادِ او در شیون است

فکر گردوں رس، زمیں پیما ازو
چشم کور و گوش ناشنوا ازو

از ہوس تیغ دو رو دارد بدست
رہرواں را دل بریں رہزن شکست

شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد
ایں گلِ تاریک را اکسیر کرد

مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است
بوتراب از فتح اقلیم تن است

مردِ کشور گیر از کراری است
گوہرش را آبرو خودداری است

هر که در آفاق گردد بوتراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب

نپ دستِ قوتِ حق ، کہہ رہی ہے یہ کتاب

جس نے نغمے سن رکھے ہیں زندگی کے ساز سے
معرفت رکھتا ہے اسمائے علیؑ کے راز سے

اصل میں تاریک مٹی نام جس کا جسم ہے
عقل بھی نالاں ہے جس سے پستیوں کی قسم ہے

یہ ہی کرتی ہے خیالوں کی بلندی کا شکار
کان میں اور آنکھ میں یہ جھونک دیتی ہے غبار

ہے ہوس کی تیغ دو رویہ اسی کے ہاتھ میں
ہر مسافر کو بڑا خطرہ ہے اس کے ساتھ میں

اس نے ضبطِ نفس کا ایک معجزہ دکھلا دیا
خاک کو گویا عدن کا ہمنوا ٹھہرا دیا

مرتضیٰ اس واسطے کہ تیغ سے روشن ہے حق
بوتراب اس واسطے کہ سر ہوئی اقلیمِ تن

فاتحِ خیبر ہیں حیدرؑ آپ ہی کرار ہیں
حق یہ فرماتا ہے بیشک مرتضیٰ خوددار ہیں

مصطفیٰ سے جو لقب پاتا ہے آخر بوتراب
از پسِ مغرب وہ لوٹاتا ہے اکثر آفتاب

ہر کہ زیں بر مرکبِ تن تنگ بست
چوں نگیں بر خاتمِ دولت نشست

زیرِ پاش اینجا شکوہِ خیبر است
دستِ او آنجا قسیمِ کوثر است

از خود آگاہی یداللّٰہی کند
از یداللّٰہی شہنشاہی کند

ذاتِ او دروازۂ شہرِ علوم
زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

حکمراں باید شدن بر خاکِ خویش
تا مےِ روشن خوری از تاکِ خویش

خاک گشتن مذہبِ پروانگی است
خاک را اب شو کہ ایں مردانگی است

سنگ شو اے ہمچو گل نازک بدن
تا شوی بنیادِ دیوارِ چمن

از گلِ خود آدمے تعمیر کن
آدمے را عالمے تعمیر کن

گر بنا سازی نہ دیوار و درے
خشت از خاکِ تو بندد دیگرے

وہ جو ضبط نفس سے خود نفس پر غالب ہوا
تاج و تخت سلطنت اس شخص کا طالب ہوا

یہ زمانہ جانتا ہے ، فاتح خیبر ہے وہ
روز محشر دیکھنا کہ ساقی کوثر ہے وہ

معرفت کا راز ہے بیشک خودی سے آگہی
معرفت ہے بادشاہی معرفت ہے زندگی

ہیں علی المرتضیٰ باب مدینۃ العلوم
آپ کے فرماں کے تابع ہے حجاز و چین و روم

لازمی ہے خاک کے گھوڑے کو پہلے دے لگام
گر تجھے مطلوب ہو روشن خودی کا ایک جام

خاک ہونا درحقیقت ہے نری پروانگی
خاک پر کر حکمرانی ہے یہی مردانگی

سنگ بن جا مثل گل نازک بدن مٹی کے یار
تاکہ دیوار چمن ہو تیرے دم سے استوار

پہلے اپنی خاک سے ایک آدمی تعمیر کر
آدمی سے اک جہان تازہ پھر تعمیر کر

تو نے اے غافل اگر گھر کی نہیں رکھی بنا
تیری مٹی سے زمانہ اینٹ پھر لے گا بنا

ہائے ز جور چرخ ناہنجار تنگ
جام تو فریادی بیداد سنگ

نالہ و فریاد و ماتم تا کجا
سینہ کوبیہائے پیہم تا کجا

در عمل پوشیدہ مضمون حیات
لذت تخلیق قانون حیات

خیز و خلاق جہان تازہ شو
شعلہ در بر کن خلیل آوازہ شو

با جہان نامساعد ساختن
ہست در میداں سپر انداختن

مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار
با مزاج او بسازد روزگار

گر نسازد با مزاج او جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں

بر کند بنیاد موجودات را
می دہد ترکیب نو ذرات را

گردش ایام را برہم زند
نیلی فام برہم زند

تو بھلا ظالم فلک کے ہاتھ سے کیوں تنگ ہے
تو نے جینا ہے تو اٹھ قبضے میں تیرے سنگ ہے

رونے دھونے اور ماتم میں رہے گا کب تلک
اپنے سینے کو تو پیٹے گا بتا دے کب تلک

جان لے کہ بس عمل ہی زندگی کا راز ہے
لذتِ تخلیق ہے اور زندگی کا ساز ہے

جلد اب بیدار ہو تازہ جہاں آباد کر
آگ میں پھر سے خلیل اللہ سی فریاد کر

اس جہانِ ناسوافق میں تو جینا عار ہے
یہ بے ہمت ہارنا تو بر سر پیکار ہے

جس مجاہد میں ہو خودداری ، تجربے کا شعور
اپنے جیسا وہ زمانے کو بنا لے گا ضرور

اس مجاہد سے زمانہ گر کبھی ٹکرائے گا
آسماں اس شخص کو اپنے مقابل پائے گا

مشرق و مغرب میں وہ برپا کرے گا انقلاب
صفحۂ ہستی پہ لکھے گا سنہرا ایک باب

گردشِ ایام کو بدلے گا وہ
چرخِ نیلی فام کو بدلے گا وہ

می کند از قوتِ خود آشکار
روزگارِ نو کہ باشد سازگار

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

آزماید صاحبِ قلبِ سلیم
زورِ خود را از مہماتِ عظیم

عشق با دشوار ورزیدن خوش است
چوں خلیلؑ از شعلہ گل چیدن خوش است

ممکناتِ قوتِ مردانِ کار
گردد از مشکل پسندی آشکار

حربۂ دوں ہمتاں کیں است و بس
زندگی را ایں یک آئیں است و بس

زندگانی قوتِ پیداستے
اصلِ او از ذوقِ استیلاستے

عفو بیجا سردیِ خونِ حیات
سکتہ در بیتِ موزونِ حیات

ہر کہ در قعرِ مذلت ماندہ است
ناتوانی را قناعت خواندہ است

قوتِ بازو سے وہ روشن زمانہ لائے گا
اس جہاں میں اک نیا گلشن زمانہ لائے گا

ہاں اگر مردانگی کی زندگی ممکن نہ ہو
اس سے بہتر ہے کہ پھر یہ جان ہی تن میں نہ ہو

مردِ مومن جسکے سینے میں ہے اک قلبِ سلیم
آزمائش کو وہ لیتا ہے مہماتِ عظیم

عشق کے مذہب میں تو تکلیف سہنا خوب ہے
کود جانا آگ میں اور پھول چننا خوب ہے

مشکلوں سے اصل میں مردانگی ہے آشکار
قوتِ مردانگی کی حد کا ہوتا ہے شمار

پست ہمت لوگ کرتے ہیں دغا، مکر و فریب
تنگ نظری ہو تو لگتے ہیں یہ حربے دیدہ زیب

یہ حقیقت ہے کہ ہے طاقت کا مظہر زندگی
ذوقِ غلبہ اس کی جاں ہے اس بنا شرمندگی

عفو بے جا اصل میں ہے ناتوانی کی دلیل
ایک سکتہ ہے، یہ کب ہے زندگانی کی دلیل

جو بھی ذلت کے گڑھے میں گر چکا ہے آجکل
ناتوانی کو قناعت کا سمجھتا ہے بدل

ناتوانی زندگی را رہزن است
بطنش از خوف و دروغ آبستن است

از مکارم اندرون او تہی است
شیرش از بہر فتام فربہی است

ہوشیار اے صاحب قلب سلیم
در کمینہا می نشیند ایں غنیم

گر خرد مندی فریب او مخور
مثل حربا ہر زماں رنگش دگر

شکل او اہل نظر نشناختند
پردہ ہا بر روئے او انداختند

گاہ او را رحم و نرمی پردہ دار
گاہ می پوشد ردائے انکسار

گاہ او مستور در مجبوری است
گاہ پنہاں در تہ معذوری است

چہرہ در شکل تن آسانی نمود
دل ز دست صاحب قوت ربود

با توانائی صداقت توام است
گر خود آگاہی ہمیں جام جم است

ناتوانی یا ضعیفی زندگی کی موت ہے
اس میں پنہاں جھوٹ ہے اور خوف کا طاغوت ہے

ناتوانی کا بدن ہے کھوکھلا اخلاق سوز
یہ جرائم کو بناتی ہے توانا دل فروز

ہوشیار ! اے مرد مومن صاحب عقل و فہم
گھات میں ہے ناتوانی ڈال دے دل میں نہ وہم

ہے اگر باہوش تو بچنا تو اس کی چال سے
بے وفا ہے یہ حسینہ ، پھانستی ہے جال سے

صاحب عقل و بصارت کھا گئے اس سے فریب
اصلیت نہ دیکھ پائے زیر روئے دیدہ زیب

ڈالتی ہے رحم و نرمی کا کبھی منہ پر نقاب
اور کبھی یہ انکساری کو بناتی ہے حجاب

پہن مجبوری کا لیتی ہے کبھی یہ پیرہن
اور معذوری بھی کرتی ہے یہ اکثر زیب تن

جب تن آسانی کے گھونگھٹ میں چھپا چہرہ لیا
تب مجاہد کو جوانمردی سے بے بہرہ کیا

دیکھئے تو ہے توانائی صداقت، حق کا نام
معرفت ہو تو توانائی ہے بے شک جم کا جام

زندگی کشت است و حاصل قوت است
شرح رمز حق و باطل قوت است

مدعی گر مایه دار از قوت است
دعوی او بے نیاز از حجت است

باطل از قوت پذیرد شان حق
خویش را حق داند از بطلان حق

از کن او زہر کوثر می شود
خیر را گوید شرے ، شر می شود

اے ز آداب امانت بے خبر
از دو عالم خویش را بہتر شمر

از رموز زندگی آگاہ شو
ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو

چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی راہ حق بر من بخند

(۳۱)

نعرۂ حیدر نوائے بوذر است
گرچہ از حلق بلال و قنبر است

(۳۲)

زندگی سرسبز کھیتی ہے تو قوت فصل ہے
حق و باطل کا یہی بس راز ہی در اصل ہے

مدعی دعویٰ و طاقت سے ہے دیکھو مالا مال
اس کو حجت کا نہ اندیشہ ہے کچھ، نہ ہی خیال

قوتِ بازو سے باطل دھارتا بہروپ ہے
سب سے کہتا ہے کہ مانو یہ تو حق کا روپ ہے

زہر کو قوت سے اپنی کر دکھاتا ہے حیات
اور نیکی و بدی کو بھی بتاتا ہے نبات

تو اگر بارِ امانت کی حقیقت جان لے
حکمران دوجہاں ہے، حیثیت پہچان لے

مردِ مومن زندگی کے راز سے آگاہ ہو
بھول جا؟ جھوٹے خدا اور تو فنا فی اللہ ہو

آنکھ، کان اور ہونٹ گر تو کھول لے اے باشعور
پھر بھی رلو حق نہ دیکھے مجھ پہ تو ہنسنا ضرور

بازگشتِ نعرہ حیدر ہے بوذر کی صدا
ہے یہ تکبیر بلالؓ اور ہے یہ قنبر کی ندا

چوں علی در ساز با نان شعیر
گردن مرحب شکن خیبر بگیر
(۴۳)

ہزار خیبر و صد گونه اژدر است اینجا
نه ہر که نان جویں خورد حیدری داند
(۴۴)

گہے با حق در آمیزد ، گہے با حق درآویزد
زمانے حیدری کردہ ، زمانے خیبری کردہ
(۴۵)

امیر قافلہ سخت کوش و پیہم کوش
که در قبیلہ ما حیدری ز کراری است
(۴۶)

من آں علم و فراست با پر کاہے نمی گیرم
که از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را
ببر نرخے که ایں کالا بگیری سود مند افتد
بزور بازوئے حیدر بدہ ادراک رازی را
(۴۷)

عشق با نان جویں خیبر کشاد
عشق در اندام مہ چاکے نہاد
(۴۸)

جو کی روٹی کھا ، امام الاولیاء جیسا تو بن
توڑ دے مرحب کی گردن اور بن خیبر شکن

ہزار اژدر ، ہزار خیبر ، چھپے ہیں تیرے نفس کے بن میں
مگر زمانے بتا یہ مجھ کو ہے کون حیدرؑ اس انجمن میں؟

کبھی حق کے ساتھ ہیں صحبتیں کبھی حق سے اس کی رقابتیں
کبھی حیدری ، کبھی خیبری ، کبھی سروری ، کبھی دلبری

امیر قافلہ ہے تجھ پہ لازم ہے جہاد ہر دم
ہمارے دین میں کرار ہی سالار ہوتا ہے

میں اس علم و فراست کو کسی قیمت نہ لوں ہرگز
شہادت کا جو جب چھین لے اک مردِ غازی سے

یہ سودا ہر طرح ، ہر زاویے سے ہے نفع والا
اگر تبدیل کر لے "حیدری" "ادراکِ رازی" سے

عشق دستِ مرتضیٰ ہے ، عشق ہے خیبر شکن
چاند کا دل اس نے توڑا نور ہے جس کا بدن

کور را بیننده از دیدار کن
بو لهب را حیدرِ کرار کن
(۴۹)

پیش او نه آسمان خیبر است
ضربتِ او از مقامِ حیدر است
(۵۰)

حکمِ حق را در جہاں جاری کند
نانے از جو خورد و کراری کند
(۵۱)

خانقاہے جست و از خیبر رمید
راہبی ورزید و سلطانی ندید
(۵۲)

دینِ او آئینِ او سوداگری است
عنتری اندر لباسِ حیدری است
(۵۳)

با وطن پیوست و از خود در گذشت
دل بہ رستم داد و از حیدر گذشت
(۵۴)

بده او را جوانِ پاکبازے

گر بصارت چاہیئے اس نور کا دیدار کر
اپنے دل کے بولہب کو حیدر کرار کر

سامنے نو اس کے خیبر اور ہیں نو آسماں
قربِ مومن ہے مقامِ حیدری کی رازداں

تو نے حق کی بات اس دنیا میں کیوں جاری نہ کی؟
جو کی روٹی کھا کے بیٹھا اور کراری نہ کی

بھاگ کر خیبر سے اس نے خانقاہ میں لی پناہ
بن گیا راہب ، نہ ٹھہرا بادشاہِ جاں پناہ

اس کا دیں اور اس کا ایماں ، سب کا سب سوداگری
حیدری ملبوس کے اندر چھپی ہے عنتری

وطنیت کے سمِ قاتل سے کیا خود کو ہلاک
چھوڑ کے حیدر کو بن بیٹھا وہ رستمِ خوفناک

عطا فرمائیے اس نوجواں مسلم کو پاکیزی

سرورش از شراب خانہ سازے
قوی بازوئے او مانند حیدرؓ
دل او از دو گیتی بے نیازے
(۵۵)

گلستانے ز خاک من برانگیز
نم چشم بخون لالہ آمیز
اگر شایاں نیم تیغ علیؓ را
نگاہے دہ چو شمشیر علیؓ تیز

(۵۶) سپاس جناب امیر (۵۷)

اے محو ثنائے تو زبانہا
اے یوسف کاروان جانہا

اے باب مدینہ محبت
اے نوح سفینہ محبت

اے ماحی نقش باطل من
اے فاتح خیبر دل من

اے سر خط وجوب و امکاں
تفسیر تو سورہ ہائے قرآں

اے مذہب عشق را نمازے

شرابِ معرفت کی بیخودی بھی اور جگر سوزی
اسے حیدر کی قوت کے خزانے سے گہر دمکے
توکل ہی ہو سرمایہ ۔ ہوس ہو اور نہ جہانگیری

میری مٹی سے ہو پیدا ایک تختۂ گلستاں
لالہ رخ بن جائیں ان آنکھوں کے آنسو خونچکاں
گر مری قسمت میں لکھی ہی نہیں ہے ذوالفقار
حیدری فکر و نظر پا جائے اس دل کا جہاں

سپاسِ جنابِ امیرؑ

تعریف میں مگن تری ہر اک زباں ہے
یوسف ہے قافلہ کا تو ہر دل کی جاں ہے

تو بابِ خوشنما ہے محبت کے شہر کا
تو نوحِ پاکباز سفینہ ہے مہر کا

باطل کی ظلمتوں میں اجالا ہے تو علیؑ
اس دل کے در کو کھولنے والا ہے تو علیؑ

تو رازِ فلسفۂ معرفت ۔ تو رمزِ کائنات
قرآں کی سورتوں میں رقم سب تری صفات

تو دینِ عاشقی کے لیے اِک نماز ہے

ے سینہ • ینہ رازے

ے ... نبوتِ محمدؐ
ے وصفِ تو مدحتِ محمدؐ

گردوں کہ بہ رفعت ایستادست
از بامِ بلندِ تو فتادست

ہر ذرہ درگہت، چو منصور
در جوش ترانۂ اناالطور

بے تو نتواں باو رسیدن
بے او نتواں بتو رسیدن

فردوس: تو چمن در آغوش
از شانِ تو حیرت آئینہ پوش

جانم بجلای تو خوشتر
سر بر زدہ ام ز جیبِ قنبر

ہشیارم و مستِ بادۂ تو
چوں سایہ ز پا فتادۂ تو

ز ہوش شدم، مگر بہوشم
گوئی کہ نصیریؔ خموشم۔

تو قیصرِ معرفت ہے محبت کا راز ہے

تو راز ہے نبیؐ کی نبوت کا اے علیؑ
مدحت تری بھی مدحِ محمدؐ ہے اے علیؑ

گو نیلگوں بلند بہت آسمان ہے
اس سے بہت بلند ترے در کی شان ہے

ہر ذرہ تیرے در کا محبت میں چور ہے
اور بے خودی میں لب پہ ترانۂ طہور ہے

تجھ بن نبیؐ کی معرفت ممکن نہیں علیؑ
اس بن تری بھی معرفت ممکن نہیں علیؑ

فردوس کی بہار علی تیرے دم سے ہے
حیرت کو تیری شان پہ حیرت عدم سے ہے

یہ روح تیرے در کی غلامی پہ شاد ہے
قنبرؓ کے دل میں چہرۂ انور کی یاد ہے

مستی و ہوش تیری محبت کا جام ہے
سایہ ترے قدم کا ، یہ تیرا غلام ہے

یہ بے خودیِ شوق تو دراصل ہوش ہے
تیرا غلام ، تیرا نصیری خموش ہے

دانم کہ لب بجنبا راز است
در پردہ خامشی نیاز است

تا چہ کنم مے تولہ
تہ است بدوں خط ز بینا

ز اندیشہ عافیت رہیدم
جنسے ستم قتل تو خریدم

نگرم چو بے جستجو قدم زد
در دیر شد و در حرم شد

در دشت طلب بسے دویدم
دامن چو گرد باد چیدم

در آبلہ خارہا خلیدہ
صد لالہ تہ قدم دمیدہ

افتادہ گرہ بروئے کارم
شرمندہ دامن غبارم

پویاں پئے خضر سوئے منزل
بر دوش خیال بستہ محمل

جویائے مے و شکستہ جامے .

میں جانتا ہوں پاسِ ادب ضبطِ راز ہے
پردۂ خامشی میں نہاں ہی نیاز ہے

یہ جامِ عشق اب تو چھلکتا ہے یا علیؑ
یہ رند بے خودی میں بہکتا ہے یا علیؑ

میں عاقبت کے خوف سے اب پا گیا نجات
غمِ آلِ مرتضیٰ کا ہر اک دم ہے میرے ساتھ

میرا خیال اس کی طلب میں ہوا رواں
مندر کبھی ، کبھی حرم پاک آستاں

میں جستجو کے دشت میں پھرتا رہا مدام
بھٹکا ہوا بگولا میں ، درماندہ ، تشنہ کام

پاؤں کے آبلوں میں چبھے ہر قدم پہ خار
جنگل مرے لہو سے ہوئے سرخ ، لالہ زار

کوئی نشاں کہیں بھی نہ منزل کا مل سکا
حدِ نظر غبار کا تھا ایک قافلہ

پھر مجھ کو خضرِ راہ کا نقشِ قدم ملا
منزل کا بھی نشان مجھے دم بدم ملا

مے کی طلب میں ایک شکستہ میں جام تھا
صبح صبا بنا تھا ، بہت تشنہ کام تھا

پیچیدہ بخود چو موجِ دریا
آوارہ چو گردِ بادِ صحرا

واماندہ ز رو دردِ نارسیدن
در آبلہ شکستہ دامن

عشقِ تو دلم ربود ناگاہ
از کار گرہ کشود ناگاہ

آگاہ ز ہستی و عدم ساخت
بت خانۂ عقل را حرم ساخت

چوں برق بخرمنم گذر کرد
از لذتِ سوختن خبر کرد

برباد متاعِ ہستیم داد
جامے ز مے حقیقتم داد

سرمست شدم ز پا فتادم
چوں عکس ز خود جدا فتادم

پیراہنِ ما و من دریدم
چوں اشک ز چشمِ خود چکیدم

خاکم بفرازِ عرش بردی
زاں را کہ با دلم سپردی

میں موجِ مضطرب تھا سمندر کے دوش پر
حیران گرد باد تھا ، خود میرے جوش پر

صحرا تھا آبلے تھے ، فقط یاس پاس تھی
اس عشقِ خام کو فقط منزل کی آس تھی

ناگاہ تیرے عشق میں میں ہو گیا اسیر
عقدہ کشائی تب ہی ہوئی میری دستگیر

اس نے حیات و موت سے پھر آشنا کیا
بت خانۂ خرد مرا قبلہ نما کیا

گزرا وہ مثلِ برق ، مرے دل کی راہ سے
بخشا مجھے وہ سوز جو ملتا ہے چاہ سے

میری انا مٹا کے خودی کا دیا پیام
بخشا حقیقتوں کی مے کا جامِ لالہ فام

مسرور ہو گیا میں قدم لڑکھڑا گیا
سائے کی مثل آپ ہی میں خود سے کھو گیا

خود دامنِ خودی کو کیا چاک دم بدم
ٹپکا میں اپنی آنکھ سے مانندِ اشکِ غم

عرشِ بریں پہ لے گیا تو میری خاک کو
بخشا اسے وہاں پہ مرے قلبِ پاک کو

واصل بکنار کشتیم شد
طوفان جمال زشتیم شد

جز عشق حکایتے ندارم
پروائے ملامتے ندارم

از جلوہ عام بے نیازم
سوزم ، گریم ، تپم ، گدازم
(۵۸)

روحِ حزیں کی ناؤ کنارے کو پا گئی
ہر اک بدی کے جسم میں نیکی سما گئی

اب اس کا عشق ہی مرے وردِ زبان ہے
ڈرتا نہیں کسی سے میں یہ اس کی شان ہے

حوروں کے حسنِ ناز سے اب بے نیاز ہوں
آنسو ہوں ، سوزِ عشق ہوں ، سوز و گداز ہوں

علامہ اقبال کا اردو کلام

ہے اس کی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا
تفضیل علی ہم نے سنی اس کی زبانی
(۵۹)

حیدری فقر ہے ، نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے ؟
(۶۰)

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

(۶۱) نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی
نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللہی
وہی مرحبی وہی عنتری
(۶۲)

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا ؟ زورِ حیدر ، فقرِ بوذر ، صدقِ سلمانی

(۶۳) دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اسے بازوئے حیدرؑ بھی عطا کر

(۶۳)

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علیؑ خیبر شکن عشق

(۶۴)

دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کراری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

(۶۶)

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

(۶۷)

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

(۶۸)

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے؟

(۶۹)

یا عقل کی روباہی ، یا عشقِ یداللٰہی
یا حیلۂ افرنگی ، یا حملۂ ترکانہ
(۷۰)

جمال عشق و مستی نے نوازی
جلال عشق و مستی بے نیازی
کمال عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوال عشق و مستی حرفِ رازی
(۷۱)

امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی
(۷۲)

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیقؓ دے
(۷۳)

قبضے میں یہ تلوار بھی آ جائے تو مومن
یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدرِؓ کرار
(۷۴)

مرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی
ترے نصیب فلاطوں کی تیزیٔ ادراک

(۷۵) خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری
(۷۶)

ہے جراتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق ید اللہی
(۷۷)

مقصود ملک لمی پہ کھلی ان کی زباں
یہ تو اک راز ہے تجھ کو بھی برا کہتے ہیں
(۷۸)

تیرے پیاروں کا جو یہ حال ہوا شافعِ حشر!
میرے جیسوں کو تو کیا جانیے کیا کہتے ہیں
(۷۹)

فیض، اقبال ہے اسی در کا
بندہ شاہِ لافتیٰ ہوں میں
(۸۰)

سینۂ پاکِ علیؑ جس کا امانت دار تھا
اے شہِ ذی جاہ! تو واقف ہے ان اسرار سے
(۸۱)

یہ ہے اقبال فیضِ یادِ نامِ مرتضیٰ جس سے

نگاہ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے
(۸۲)

کرم کرم کہ غریب الدیار ہے اقبال
مرید پیر نجف ہے غلام ہے تیرا
(۸۳)

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغ عشق اہلبیت
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظل دامن حیدر مجھے
(۸۴)

اجمالی سوانح

خاتونِ جنت سیدۃ النساء حضرت فاطمہ سلام علیہا

سیدہ فاطمہؑ جنابِ خدیجہ الکبریٰ کے بطن سے سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ الاستیعاب میں ولادت کا سال ا نبوت لکھا ہے۔ سیدہ فاطمہؑ نے اپنی عمر کے دس سال اپنی والدہ گرامی کی زیرِ تربیت گزارے۔ حضرت خدیجہؑ نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کو اخلاقِ حسنہ سے بطریقِ احسن آراستہ کیا۔ آپکو اپنی کمسنی میں بھی اپنے والدِ گرامی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضورؐ خانۂ کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابو جہل کے ایماء پر عقبہ بن ابی معیط نے نجاست سے بھری ہوئی اوجھڑی سجدے کے وقت آپؐ کی پشتِ مبارک پر رکھ دی۔ مشرکین نے قہقہے بلند کئے۔ ابنِ مسعودؓ صحابی بھی موجود تھے، مگر وہ مدد کی ہمت نہ کر سکے۔ اسی اثناء میں سیدہ فاطمہؑ آ گئیں اور انھوں نے آنحضرتؐ کی پشت سے اوجھڑی کو ہٹا دیا۔ حضرت خدیجہؑ کے انتقال کے بعد پورے گھر کا بار آپ کے کندھوں پر تھا۔ جب کوئی قریشی آنحضورؐ کے سرِ اقدس پر کوڑا ڈال دیتا تو آپ ہی ان کے سرِ مبارک کو جھاڑا اور دھویا کرتیں۔ درحقیقت عام الحزن کے بعد

حضرتؐ کی تکالیف پر آپ، حضرت علیؓ اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد ہی غم میں گھلتے رہ گئے تھے۔ رسول مقبولؐ نے جب مکے سے مدینے ہجرت فرمائی تو کچھ دنوں کے بعد آپ کو بھی وہاں بلالیا۔ مدینے پہنچ کر آپ نے اطمینان کا سانس لیا اور قریش کے نت نئے مظالم سے رہائی پائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ سے والہانہ محبت فرماتے تھے۔ آپ سن بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کو آپ کے عقد کی فکر دامن گیر ہوئی۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے یکے بعد دیگرے آپ کو زوجیت میں لینے کے لیے آنحضورؐ کی خدمت میں درخواست کی۔ آپؐ نے دونوں کو یہی جواب دیا کہ جو اللہ کو منظور ہوگا وہی عمل میں آئے گا۔ اس زمانے میں حضرت علیؓ افلاس اور ناداری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ بھی حضرت فاطمہؓ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ وہ اور فاطمہؓ دونوں ہی رسول مقبولؐ کے پروردہ تھے۔ حضرت علیؓ دوسرے لوگوں سے زیادہ فاطمہؓ کی طبیعت، ذکاوت، اخلاق و عادات سے واقف تھے۔ تاہم ڈرتے تھے کہ کہیں انھیں بھی حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسا جواب نہ دے دیا جائے فطری طور پر آپ کو شرم و حیا بھی دامن گیر تھی۔ دراصل رسول مقبولؐ چاہتے تھے کہ فاطمہ کے لیے کوئی ایسا نوجوان تلاش کریں جو آپؐ کے حد درجہ مددگاروں اور اہل بیت میں سے ہو۔ (۸۵)

حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو پیام دینے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ شرم و حیا مانع ہے۔ تاہم آپ نے حضرت عثمانؓ کے مشورے کو قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ آنحضرتؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور خاموش بیٹھ گئے۔ آنحضورؐ نے آنے کا مقصد دریافت کیا۔ تب آپ نے دبی زبان سے دل کی بات کا اظہار کیا۔ رسول مقبولؐ نے مرحبا فرمایا اور پوچھا، "تمھارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے؟" آپ نے جواب دیا، ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہی اثاث البیت ہے۔" آنحضرتؐ نے فرمایا، "گھوڑا تو جنگ کے لیے ضروری ہے۔ زرہ فروخت کر ڈالو۔"

حضرت عثمانؓ نے زرہ چار سو درہم میں خرید کرلی ۔ حضرت علیؓ نے یہ رقم آنحضورؐ کی خدمت میں پیش کر دی ۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کے ذریعے بازار سے ضروری اشیاء خرید کرائیں ۔ آخر سیدۃ النساء العالمین کا عقد ولی المومنین حضرت علی علیہ السلام سے بخیر و خوبی سرانجام پایا ۔ آنحضورؐ نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا ۔ اصابہ میں یہ روایت بھی نقل ہے کہ ایک چادر ، دو چکیاں اور ایک مشک بھی عنایت فرمائی ۔ نکاح کے بعد رسم عروسی کے وقت دونوں کو حضرت حارث بن نعمان کے مکان میں منتقل کر دیا گیا ۔ آنحضرتؐ اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئے ۔ پھر برتن میں پانی طلب فرمایا ۔ اپنے دونوں ہاتھ پانی میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینے اور پاؤں پر پانی چھڑکا ۔ پھر سیدہ فاطمہ کو بلایا ۔ وہ شرماتی لجاتی ہوئی تشریف لائیں ۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا ۔ " میں نے اپنے خاندان کے افضل ترین شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے ۔ "

غزوہ احد میں جب مدینے میں یہ افواہ گشت کرنے لگی کہ آنحضرتؐ شہید ہو گئے تو حضرت فاطمہ اضطراری حالت کی بناء پر میدان جنگ میں جا پہنچیں ۔ آپ نے آنحضورؐ کے زخموں کو دھویا ۔ کھجور کی چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں پر رکھی ۔ تب جا کر کہیں خون بند ہوا ۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں والہانہ محبت اور بے مثال یگانگت تھی ۔ چنانچہ سوائے ایک دفعہ کے کبھی بھی خانگی معاملات میں ایک کو دوسرے سے شکایت نہیں ہوئی ۔ یہ وہ موقع تھا جب منافقین نے افواہ اڑا دی تھی کہ حضرت علیؓ ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں ۔ جونہی یہ خبر حضرت فاطمہؓ کو پہنچی آپ بہت کبیدہ خاطر ہوئیں ۔ چنانچہ حضرت مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے ابو جہل کی بیٹی سے منگنی کی تو حضرت فاطمہؓ یہ سن کر آنحضور کی خدمت میں تشریف لے گئیں اور کہا کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کی حمایت میں غصہ نہیں کرتے اور اسی وجہ سے علیؓ ابو جہل کی بیٹی سے

نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر رسولِ خدا کھڑے ہو گئے۔ میں سن رہا تھا جس وقت آپ نے تشہد کے بعد فرمایا۔ میں نے ابو العاص بن ربیع سے اپنی ایک بیٹی کا نکاح کر دیا۔ تو ابو العاص نے جو بات مجھ سے کہی سچ کہی۔ بے شک فاطمہ میرا پارۂ گوشت ہے اور میں اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اسے رنج پہنچے۔ خدا کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور عدو اللہ کی بیٹی ایک شخص کے پاس نہیں رہ سکتیں۔ پس علیؓ نے منگنی کو ترک کر دیا۔ (۸۶)

اس روایت کو پڑھ کر ہر ذی شعور اور عقلمند فرد یہی کہے گا کہ یہ خطبہ عام ان لوگوں کے لیے تہدید تھی جنھوں نے ایسی بے بنیاد افواہ اڑائی تھی۔ ورنہ یہ بات رسول مقبولؐ سے بعید تھی کہ وہ ایک خانگی معاملے کو جو صرف حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے ہی متعلق تھا، اس طرح پر عام کرتے۔ در حقیقت یہ بات عقل و درایت کے سراسر منافی اور خلاف ہے۔ دوسرے یہ بات بھی ناقابلِ تسلیم اور ناممکنات سے قرار پاتی ہے کہ آنحضورؐ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حلال کو حرام یا مکروہ قرار دیں۔ ابو جہل جہاں رسول مقبولؐ کا دشمن تھا وہاں حضرت علیؓ کا بھی دشمن تھا۔ چنانچہ یہ بات بھی عقل سے بعید تھی کہ حضرت علیؓ اپنے دشمن کی بیٹی کو عقدِ نکاح میں لانا چاہیں۔ معاملے کی صورت در حقیقت یہ تھی کہ یہ بے سر و پا باتیں دشمنانِ اہلِ بیتؑ نے انھیں ذہنی کوفت اور روحانی تکلیف پہنچانے کے لیے اڑائی تھیں، جو اپنی شہرت اور کثرتِ تواتر کے باعث احادیث کی کتابوں میں جگہ پا گئیں۔ وگرنہ تاریخ شاہد ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت علیؓ اور فاطمہؓ میں مکمل یگانگت اور انتہائی محبت کارفرما تھی۔ اگر معاملے کی بنظرِ غائر چھان بین کی جائے تو بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ منافقین آنحضورؐ کے دل سے حضرت علی کی محبت کم کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے یہ افواہ اڑائی جو شدہ شدہ حضرت فاطمہؓ تک بھی پہنچی اور آپ کو فطری طور پر اس کا رنج ہوا۔ آنحضرتؐ نے اس افواہ کے باعث لوگوں کو تہدید کی اور خبردار کیا کہ وہ یہ بات پسند نہیں فرماتے کہ کوئی

شخص بھی حضرت فاطمہؓ کو رنج پہنچانے ۔ اسی معاملے میں حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبولؐ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے تو حضرت علیؓ کو گھر نہ پاکر ان سے پوچھا، "میرے چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟" انھوں نے جواب دیا، میرے اور ان کے مابین کچھ جھگڑا ہو گیا ہے ۔ وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں اور میرے ہاں نہیں سوئے ۔" اس وقت رسول مقبولؐ نے ایک شخص سے فرمایا، "دیکھو تو وہ کہاں ہیں؟" وہ دیکھ آیا تو اس نے کہا۔ "یارسول اللہ! وہ مسجد میں سو رہے ہیں ۔" پس رسول مقبولؐ مسجد میں تشریف لے گئے ۔ علی وہاں لیٹے ہوئے تھے اور ان کی چادر پہلو سے گری ہوئی تھی اور اس پر مٹی لگ رہی تھی ۔ رسول کریمؐ ان کے جسم کو جھاڑتے جاتے تے اور فرماتے جاتے تھے، "ابو تراب اٹھو! ابو تراب اٹھو! (۸۷)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ اس افواہ کی وجہ سے حضرت علیؓ کی دل شکستگی کو گوارا نہ فرماتے ہوئے انھیں مسجد سے ڈھونڈ لائے ۔ اس طرح منافقین کی چال کو ناکام بنا دیا ۔ حضرت فاطمہ کو بھی اس افواہ کے غلط ہونے کا یقین ہو گیا اور اس طرح یہ "معمولی غلط فہمی" رفع ہو گئی ۔

رسول کریمؐ کی رحلت کا وقت جب قریب آیا تو آپؐ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور کان میں سرگوشی کی ۔ وہ رو پڑیں ۔ پھر دوبارہ سرگوشی فرمائی تو مسکرا دیں حضرت فاطمہ ہی سے روایت ہے کہ پہلی بار آنحضرتؐ نے اپنے وصال کی خبر دی تھی اور دوسری بار یہ فرمایا تھا کہ اہل بیتؑ میں سے تم ہی میرے پاس سب سے پہلے پہنچو گی ۔ (۸۸)

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے روزِ وصال ہی آپ کو سیدۃ النساء العالمین ہونے کی بشارت دی اور فرمایا: "بیٹی! کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم نساء العالمین کی سیدہ (سردار) ہو؟" فاطمہ نے فرمایا، "بابا جان! مریم علیہا السلام کدھر گئیں ۔" آپؐ نے فرمایا، "وہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہیں اور

تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو ۔ اور تمھارا شوہر دنیا اور آخرت میں سردار ہے ۔ (۸۹)

حضرت فاطمہؑ آنحضرتؐ کی تکلیف کو دیکھ کر بے حد مضطرب تھیں اور بار بار فرماتی تھیں ، "آہ! کتنا کرب ہے ۔" آنحضرتؐ نے فرمایا ، "تیرے باپ کو آج کے بعد کوئی کرب نہ ہوگا ۔" آنحضورؐ کے انتقال پر ملال سے آپ پر رنج والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ۔ فرمانے لگیں :

"پیارے باپ نے دعوتِ حق کو قبول کیا اور فردوس بریں میں نزول فرمایا ۔ آہ! جبرئیل کو انتقال کی خبر کون پہنچا سکتا ہے ۔ الہٰی! روحِ فاطمہ کو روحِ محمدؐ کے پاس پہنچا دے ۔ الہٰی مجھے دیدارِ رسولؐ سے مسرور بنا دے ۔ الہٰی! مجھے اس مصیبت کے ثواب سے بے نصیب نہ رکھ اور بروزِ حشر شفاعتِ محمدؐ سے محروم نہ فرما ۔"

(۹۰)

سچ تو یہی ہے کہ حضرت فاطمہؑ پر زمین و آسمان تاریک ہو گئے تھے ۔ ان کا انتہائی شفیق باپ دنیا سے رخصت ہو گیا ۔ انھیں اپنی زندگی بار محسوس ہونے لگی وہ اس جہان فانی سے بیزار ہو گئیں ۔ تاریخ شاہد ہے کہ رسول مقبولؐ کی وفات کے بعد کبھی بھی حضرتِ فاطمہ کے چہرے پر ہلکی سے مسکراہٹ بھی نہ دیکھی گئی ۔ ایک دفعہ جب وہ آنحضرتؐ کے مزار پر پہنچیں تو قبر کی مٹی ہاتھ میں لی ، اسے آنکھوں اور چہرے پر مل کر اشکبار روتے ہوئے فرمایا :

"جو شخص احمدؐ کی تربت کی مٹی ایک بار سونگھ لے اس پر لازم ہے کہ پھر کبھی خوشبو نہ سونگھے ۔ مجھ پر اتنی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے ۔"

حضرت فاطمہ روزانہ مزارِ رسولؐ پر آیا کرتیں اور خاصی دیر تک سرہانے کھڑی آنسو بہایا کرتی تھیں ۔ مزار پر وہ یہ پڑھا کرتی تھیں :

"آسمان کی پہنائیاں غبار آلود ہو گئیں ۔ سورج لپیٹ دیا گیا اور زمانہ تاریک ہو گیا ۔ رسول خدا کے بعد زمین غمگین، حزیں اور افسردہ ہو گئی ۔ چاہیئے کہ آپ پر مشرق و مغرب کے رہنے والے روئیں اور چاہیئے کہ تمام اہل جہاں آپ کی وفات پر آنسو بہائیں ۔ ختم الرسل! جن پر قرآن اترتا تھا، تجھ پر اللہ کی رحمت نازل ہو ۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے وارثِ نبیؐ ہونے کی حیثیت سے فدک کے قبضے کا مطالبہ کیا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ انھیں رسول اللہ کے اقرباء سے بڑی محبت ہے اور وہ ان کا احترام کرتے ہیں ۔ لیکن چونکہ حضور نے فرمایا ہے، "ہم انبیاء کے گروہ کی وراثت نہیں ہوتی ۔ جو ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے ۔" لہٰذا میں مجبور ہوں ۔ حضرت فاطمہؓ کو حضرت ابو بکرؓ کا یہ فیصلہ پسند نہ آیا اور آپؓ ان سے ناراض ہو گئیں ۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس ناراضگی کو محسوس کیا ۔ چنانچہ ایک دن حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے اور اندر آنے کی اجازت چاہی ۔ لیکن آپ نے اجازت نہ دی ۔ اس پر وہ حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور ان سے بات کی ۔ وہ ان دونوں کو لے کر حضرت فاطمہؓ کے پاس پہنچے اور انھیں بٹھایا ۔ لیکن حضرت فاطمہؓ نے ان کی طرف سے منہ پھیر کر دیوار کی طرف کر لیا ۔ انھوں نے سلام کیا لیکن جواب نہ ملا ۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ بولے :

"اے رسولؐ اللہ کی محبوب بیٹی! واللہ رسولؐ اللہ کے عزیز مجھے اپنے عزیزوں سے زیادہ پیارے ہیں ۔ آپ مجھے میری بیٹی عائشہ سے زیادہ محبوب ہیں ۔ میری خواہش تھی کہ جس روز رسول کریمؐ کا انتقال ہوا میں بھی اسی روز مر جاتا اور ان کے بعد زندہ نہ رہتا ۔ کیا آپ دیکھتی نہیں کہ مجھے آپؓ کے فضل اور شرف کا اعتراف ہے ۔ آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے آپ کا حق غصب کیا ہے اور آپ کو رسول

اللہ کی میراث سے محروم کر دیا ہے۔ واللہ! میں نے رسولؐ اللہ کو کہتے سنا ہے کہ "ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا۔ ہم اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا۔"

حضرت فاطمہؓ نے کہا، "اگر میں تمھیں رسول اللہ کی حدیث سناؤں تو کیا تم مانو گے؟"

دونوں نے جواب دیا: "یقیناً۔"

حضرت فاطمہؓ نے کہا: "میں تمھیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے رسولؐ اللہ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ "جس نے میری بیٹی فاطمہؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، جس نے میری بیٹی فاطمہؓ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔"

دونوں نے جواب دیا: "بے شک ہم نے رسولؐ اللہ سے یہ حدیث سنی ہے۔"

حضرت فاطمہ نے کہا: "تو میں اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ تم نے مجھے ناراض کیا ہے اور مجھے راضی نہیں کیا۔ جب میں رسول اللہ سے ملوں گی تو ان سے تمھاری شکایت کروں گی۔"

یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ زار و قطار رونے لگے اور باہر نکل کر لوگوں سے کہا کہ وہ خلافت کا بار اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ ان کی جگہ کسی اور کو خلیفہ بنا لیں۔ لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ اس نازک وقت میں آپ کا خلافت چھوڑ دینا ملتِ اسلامیہ کے لیے سخت خطرے کا باعث ہوگا۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات تک حالات اسی نہج پر چلتے رہے۔ (۹۱)

بخاری شریف میں مرقوم ہے کہ باغ فدک کے سلسلے میں حضرت فاطمہؓ حضرت ابو بکرؓ سے ناراض ہو گئیں یہاں تک کہ انتقال فرما گئیں۔

حضرت فاطمہؓ کا انتقال آنحضرتؐ کی رحلت کے چھ ماہ بعد چوبیس برس کی عمر میں ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

اسماء بنت عمیسؓ کا بیان ہے کہ زمانۂ علالت میں ایک بار حضرت فاطمہؓ نے ان سے پوچھا کہ عورتوں کا جنازہ جس طرح اب لے جایا جاتا ہے، مجھے تو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ جنازے کے اوپر ایک چادر ڈال دینے سے اس کا پیکر نظر آتا رہتا ہے۔ اسماء نے کہا کہ انھوں نے حبشہ میں ایک دستور دیکھا ہے وہ تمھیں دکھائے دیتی ہوں۔ پھر انھوں نے کھجور کی تازہ شاخیں منگوا کر چارپائی پر لگائیں اور ان پر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا، "یہ بہت خوب اور بہت ہی اچھا ہے۔ مرد عورت کے جنازے کی پہچان ہو جاتی ہے۔ جب میں مر جاؤں تو تم اور علیؓ مجھے غسل دینا اور کسی کو شامل نہ کرنا۔ (۹۲)

حضرت فاطمہ کی وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔ حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اہل بیت میں سے وہی سب سے پہلے حضور سے جا ملیں۔ مسعودی نے بیان کیا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد حضرت علیؓ گھر واپس آئے تو بے حد افسردہ تھے اور بار بار شعر پڑھتے تھے جس کا مطلب یہ تھا:

> "میں دیکھتا ہوں کہ دنیا کی بیماریوں اور مصائب نے مجھے چاروں طرف سے آگھیرا ہے۔ اہل دنیا مرنے تک بیمار رہتے ہیں۔ ہر یکجائی کے بعد دوستوں سے مفارقت ہونا ضروری ہے۔ اور وہ زمانہ جو جدائی کے بغیر ہوتا ہے، تھوڑا ہوتا ہے۔ احمدؐ کے بعد فاطمہ کی مفارقت اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا۔"

(۹۳)

حضرت فاطمہؓ کے بطن اطہر سے امام حسنؓ، امام حسینؓ، سیدہ زینبؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور محسنؓ پیدا ہوئے۔ محسن کا انتقال شیر خوارگی میں ہی ہو گیا تھا۔ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو اپنی ہمشیرگان پر بھی خاص شرف حاصل ہے کہ دنیا میں رسول کریمؐ کی ذریت (آل) ان ہی سے چلی ہے اور ان ہی کی نسل سے آئمۂ

العظام علیہم السلام ہوئے۔ جن کی شان اسلام میں نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔(۹۴)

حضرت فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اخلاق و عادات میں رسول مقبولؐ کی تصویر تھیں۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ فاطمہؑ سے بڑھ کر بات چیت میں کوئی بھی رسولؐ سے مشابہ نہ تھا:۔ وہ جب آنحضورؐ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آنحضرتؐ آگے بڑھتے، پیشانی پر بوسہ دیتے اور مرحبا فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ ہی سے روایت ہے کہ انھوں نے فاطمہؑ سے بڑھ کر کسی کو سچ بولنے والا نہیں دیکھا۔ہاں ایسا وہی ہو سکتا ہے جو نبیؐ کا جایا ہو۔

سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ سے اس قدر محبت تھی کہ سفر سے واپس آکر مسجد سے ہوتے ہوئے سیدھے آپ کے پاس پہنچتے اور بعد میں اپنے گھر تشریف لے جاتے۔(۹۵)

اسی طرح جب کسی سفر کو تشریف لے جاتے تو سب سے بعد میں آپ سے رخصت ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے رسول مقبولؐ سے دریافت کیا، "یا رسولؐ اللہ! آپؐ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا فاطمہ سے؟" رسول کریمؐ نے جواب دیا، "فاطمہ مجھے تم سے زیادہ عزیز اور تم مجھے فاطمہ سے زیادہ عزیز ہو۔"(۹۶)

اسی طرح رسولؐ اکرم ہر موقع پر ان دونوں سے شفقت و مہربانی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت دونوں میاں بیوی سو رہے تھے۔ حسنؑ رو رہے تھے اور کھانا مانگ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ نے فوراً ایک بکری کا دودھ دوہا اور حسنؑ کو پلایا، جسے پی کر وہ چپ ہو گئے۔ آپؐ نے از راہِ شفقت حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کو نیند سے جگانا نہ چاہا کہ ان کے آرام میں خلل پڑے گا جو آپؐ کے نزدیک مناسب نہ تھا۔(۹۷)

حضرت فاطمہ الزہرا گھر کا تمام کام کاج بنفسِ نفیس خود سرانجام دیا کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے ایک دفعہ اس تکلیفؑ کی شکایت رسول اکرم سے اس وقت

بوساطت حضرت عائشہؓ کی جب آنحضرتؐ کے پاس کچھ جنگی قیدی آئے ہوئے تھے۔
چنانچہ بقول حضرت فاطمہ رسول کریمؐ ان کے پاس تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؓ
اور حضرت علی اپنی خواب گاہ میں لیٹ چکے تھے۔ انھوں نے چاہا کہ اٹھیں۔
آنحضرتؐ نے فرمایا۔" تم دنوں اپنی جگہ پر لیٹے رہو۔" اور آپؐ ہم دونوں کے
درمیان بیٹھ گئے۔ سبحان تک کہ میں نے آپؐ کے پاؤں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں
پائی اور آپؐ نے فرمایا۔" کیا میں تمھیں ایک ایسی بات تعلیم نہ کروں جو اس سے
بہتر ہے جس کی تم نے خواہش کی ہے۔ پس جب تم اپنی خوابگاہ میں جایا کرو تو
چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہو۔ یہ
تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے۔ (۹۸)

آپ کی صداقت اور تطہیر کی گواہی باری تعالیٰ نے قرآن کریم میں آیت
مباہلہ اور آیت تطہیر کے ذریعے دی ہے۔ الحاصل حضرت فاطمہؓ اخلاق فاضلہ اور
عاداتِ حسنہ کا پیکر تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم الامت، شاعر مشرق علامہ اقبال
نے مسلمان عورتوں کے لیے آپ کے اسوہ کو اسوۂ کاملہ بتایا ہے۔

حضرت فاطمہ الزہرا علیہا السلام کے مخصوص فضائل

(۱)

حضرت مسورؓ بن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول مقبولؐ نے فرمایا۔" بے
شک فاطمہؓ میرا پارۂ گوشت ہے اور میں گوارا نہیں کرتا کہ اسے رنج پہنچے۔" (۹۹)

(۲)

حضرت فاطمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔" کیا تو راضی اس
سے نہیں ہوتی کہ تو دونوں جہان کی عورتوں کی سردار ہے" یا یوں فرمایا کہ " اس

جنت کی عورتوں کی سردار ہووے۔" (۴۰)

(۳)

رسولؐ اللہ نے فرمایا، " فاطمہؑ مجھ سے ہے۔ جو شخص اسے تکلیف پہنچائے گا وہ مجھے تکلیف پہنچائے گا۔ جو اسے راحت پہنچائے گا وہ مجھے راحت پہنچائے گا۔" (۴۱)

(۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "اے فاطمہ! جس شخص سے تو راضی ہوگی، اللہ بھی اس سے راضی ہوگا اور جس شخص سے تو ناراض ہوگی اللہ بھی اس سے ناراض ہوگا۔" (۴۲)

(۵)

حضرت ابن عباسؓ نے نبیؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ، " نساء اہل جنت کی سردار مریمؑ، پھر فاطمہؑ، پھر خدیجہؑ اور پھر آسیہ زن فرعون ہیں۔"

اقبال اور مدحتِ فاطمہ علیہا السلام

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہراؑ عزیز
(اقبال)

علامہ اقبال نے خیر الامم امتِ مسلمہ میں مردوں اور عورتوں میں سے ایک ایک ہستی کو منتخب کیا ہے۔ چنانچہ مردوں میں سے حضرت علی المرتضیٰ کو چنا اور عورتوں میں خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا کو چن لیا۔ آپ نے حضرت علیؑ کو مثالی مومن اور حضرت فاطمۃ الزہرا کو مثالی خاتون گردانا ہے۔ سب کے سب صحابہ کرامؓ قابل صد احترام و تکریم ہیں۔ لیکن مومنین کے لیے اسوہ کامل امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہی ہیں۔ جملہ ازواج النبیؐ امہات المومنین ہونے کے ناطے سے محترم ہیں۔ تاہم مسلم خواتین کے لیے اسوہ کامل حضرت فاطمۃ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا ہی ہیں۔ اقبال کے نزدیک جو تکریم اور اعزاز اس جوڑے کے لیے مخصوص ہے وہ کسی دوسرے جوڑے کے لیے نہیں ہے۔

آپ نے مطالعہ قرآن و حدیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جہاں حضرت علیؑ مومن کامل (مردِ کامل) ہیں وہاں حضرت فاطمہؑ مومنہ کامل (خاتون کامل) ہیں۔ آیتِ تطہیر اور آیتِ مباہلہ ہر دو آپ کی طہارت اور صداقت پر دلالت کرتی ہیں جبکہ احادیث میں حضرت فاطمہؑ کا سیدۃ النساء العالمین، آنحضرتؐ کا پارہ گوشت اور مثالی راست گو ہونا صراحت سے مرقوم ہے۔

آیئے اب ہم آپ کی اس منقبت و مدحت کے مطالب کا مطالعہ کریں جو آپ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی شان میں نظم فرمائی ہے اور آپ کی ذاتِ والا صفات کو خاتونانِ اسلام کے لیے اسوہ کامل قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

در معنی این کہ
سیدة النساء فاطمة الزہرا
اسوۂ کاملہ ایست برائے نسائے اسلام

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

نور چشم رحمة للعالمین
آں امام اولین و آخرین

آں کہ جاں در پیکر گیتی دمید
روزگار تازہ آئیں آفرید

بانوئے آں تاجدار ہل اتیٰ
مرتضیٰ ، مشکل کشا ، شیر خدا

بادشاہ و کلبہ ایوان او
یک حسام و یک زرہ سامان او

مادر آں مرکز پرکار عشق
مادر آں کارواں سالار عشق

آں یکے شمع شبستان حرم

اس مضمون کی وضاحت میں کہ
سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا
مسلم خواتین کے لیے اسوۂ کاملہ ہیں

نسبت عیسیٰ ہی بس مریم کے سر کا تاج ہے
سہ تعلق فخر بنت صاحب معراج ہے

رحمۃ اللعالمیں کی آپ ہی نور نظر
جو امام الانبیاء ہیں ۔ تاجدار بحر و بر

وہ کہ جس نے زندگی کے جسم میں ڈالی ہے جاں
جو ہے ہر اک دور کا سب سے بڑا قانون داں

اہلیہ ہیں آپ اس کی جو کہ ہے شیر خدا
تاجدار ھل اتیٰ یعنی علی المرتضیٰ

ہیں علی المرتضیٰ سب مومنوں کے بادشاہ
جن کے گھر کا کل اثاثہ ایک شمشیر و زرہ

حضرت سبط پیمبر مرکز پرکار عشق
ہیں پسر زہرا کے وہ اور کارواں سالار عشق

در حقیقت آپ اک شمع شبستان حرم

حافظِ جمعیتِ خیرالامم

تا نشیند آتشِ پیکار و کین
پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگین

وان دگر مولائے ابرارِ جہاں
قوتِ بازوئے احرارِ جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسینؑ
اہل حق حریت آموز از حسینؑ

سیرتِ فرزند ہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
با یہودے چادرِ خود را فروخت

نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضائش در رضائے شوہرش

آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گرداں و لب قرآں سرا

امتِ عاصی کے محافظ ہیں حسنؑ والا حشم

وارثِ شیرِ خدا نے تخت کو ٹھکرا دیا
تاکہ صلح و آشتی کا ہو سکے روشن دیا

دوسرے نورِ نظر ہیں سب شہیدوں کے امام
آپؑ ہی ہیں قوتِ حق آپؑ پر لاکھوں سلام

زندگی کے ساز میں اک سوز ہیں حضرت حسینؑ
درحقیقت حرمت کا راز ہیں حضرت حسینؑ

ماں کے قبضے میں ہمیشہ سیرت و کردار ہے
اس اثر سے ہی پسر بھی صادق و ابرار ہے

ہیں رضائے رب کی کھیتی کے لیے فرمنِ بتولؑ
آپؑ کی سیرت ہے ماؤں کے لیے روشن اصول

حضرتِ خاتونِ جنتؑ ہیں نبیؐ کی بنتِ نبیؐ
آپؑ نے محتاج کی خاطر ہی چادر بیچ دی

آپؑ نے اپنائے شوہر کی اطاعت کے چلن
آپؑ کے تابع فرشتوں اور جنوں کی انجمن

آپؑ نے صبر و رضا کا معجزہ دکھلا دیا
ہاتھ سے چکی چلائی لے کے قرآں کا دیا

گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بدامان نماز

اشک او بر چید جبریلؑ از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں

رشتۂ آئین حق زنجیر پاست
پاس فرمان جناب مصطفیٰؐ ست

ورنہ گرد تربتش گردیدمے
سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے
(۴۳)

خطاب بہ مخدرات اسلام

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہراؑ مبند

تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد
(۴۴)

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر

پاک بی بی استراحت سے تھیں اکثر بے نیاز
آنکھ سے گوہر گراتیں آپؑ در وقتِ نماز

پر پہ لے کر حضرتِ جبریلؑ نے سارے گہر
عرش پر پھیلا دئے مانندِ شبنم سر بہ سر

میرے پاؤں میں خدا کے حکم کی زنجیر ہے
میرے دل میں مصطفیٰؐ کے امر کی توقیر ہے

ورنہ تھا ارمان کر لوں طوفِ مرقد سات بار
اور لحدِ پاک پہ سجدے کروں جا کر ہزار

مخدراتِ اسلام سے خطاب

تیری فطرت میں ہے پنہاں جذبہ کوہ بلند
حضرتِ زہرا کی سیرت سیکھ بن جا ارجمند

تاکہ تیری شاخ سے کوئی حسینؑ گل کھلے
گلشنِ انسانیت میں پھر اٹھیں وہ غلغلے

تو فقیرِ عصر کی گر اک نصیحت مان لے
موت سے محفوظ ہو جائے گی بے شک جان لے
اس زمانے سے ہو پنہاں بن کے زہرا کی کنیز

کہ ،، آغوش شیرے بگیری

(۳۵)

تاکہ ہو شبنم پیدا تو بجھے ہر دل سوختہ

اقبال کا اردو کلام

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ
(۳۶)

احوال سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام

سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام آل عبا (اہل بیتؑ) کے ایک فرد ہیں۔ آپ نصف رمضان المبارک ۳ھ میں بمقام مدینہ منورہ عالم ارواح سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ جب رسول مقبولؐ نے آپ کی ولادت با سعادت کا مژدہ جاں فزا سنا تو فوراً حضرت فاطمہؑ کے گھر پہنچے۔ آغوش میں لے کر کان میں اذان دی۔ بعدہ اپنا لعاب دہن چٹایا۔ (۴۷) آنحضرتؐ نے ہی عقیقہ کیا اور سر کے بالوںؐ کے ہم وزن چاندی کا صدقہ دیا۔ (۴۸)

حضرت علیؑ چاہتے تھے کہ آپ کا نام حرب رکھیں۔ لیکن آنحضورؐ نے حسنؑ تجویز فرمایا۔ چنانچہ حسنؑ ہی رکھا گیا۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور لقب ریحانۃ النبیؐ تھا رسول مقبولؐ آپ سے والہانہ محبت فرماتے تھے اور حتی الامکان ناز برداری کرتے تھے۔ آپ تقریباً آٹھ سال آنحضورؐ کی تربیت میں رہے۔ یہ کم سن مجاہد میدان مباہلہ میں اپنے نانا کی انگلی پکڑے مباہلے کے لیے نکلا۔ آیت تطہیر کی عملی تفسیر کے لیے نبیؐ کی عبا کے نیچے آل عبا (اہل بیتؑ) کے ساتھ تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنے وصال سے چند لمحات قبل آپ کو بلایا۔ پیار کیا اور حاضرین کو مودت کی وصیت بھی کی۔ ابھی نانا کی رحلت کا رنج و الم ابھی تازہ ہی تھا کہ صرف چھ ماہ بعد آپ کی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہرا بھی عالم بقا کو سدھار گئیں اور آپ پر رنج و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ یہ نو سال کا کم سن بچہ اپنے شفیق نانا اور مہربان ماں کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گیا۔ تاہم آپ کے والد گرامی حضرت علی المرتضیٰ کی محبت نے

اس غم کو ایک حد تک ہلکا کر دیا اور ان کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

حضرت امام علی علیہ السلام کے عہدِ خلافت میں آپ نے کارہائے نمایاں سر انجام دئے۔ جنگ جمل کی فتح آپ کی تیغ زنی کی مرہون منت تھی۔ جنگ صفین میں بھی آپؑ نے شمشیر آبدار کے خوب جوہر دکھائے۔ حضرت علیؑ آپؑ کو اور حضرت حسینؑ کو رسول کریمؐ اور سیدہ فاطمہؑ کی نشانی سمجھ کر بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور حضرات حسنینؑ کو جنگ میں بھیجنے میں محتاط راستہ اختیار فرماتے۔ چنانچہ لوگوں نے اس استفسار پر کہ محمد حنفیہؓ کو تو آپ جنگ پر آگے بھیج دیتے ہیں لیکن حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے، آپ نے فرمایا کہ حضرت حسنینؑ بہ شکل پیمبرؐ ہیں اور ان کے فرزند دلبند ہیں۔ لہٰذا وہ میرے لیے بمنزلہ آنکھوں کے ہیں جبکہ محمد حنفیہؓ بمنزلہ ہاتھ کے ہے۔ جب کبھی آنکھوں پر زد پڑتی ہے تو انسان فطری طور پر ہاتھ آگے کر لیتا ہے۔

اس وقت جب حضرت علیؑ، عبدالرحمن ابن ملجم کی زہر آلود تلوار سے زخمی ہو گئے تو لوگوں نے آپ سے بستر رحلت پر پوچھا کہ کیا آپ کے بعد ہم حسن علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟ آپؑ نے جواب دیا، "میں تم کو نہ تو اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ ہی روکتا ہوں۔ تم لوگ اس کو زیادہ سمجھ سکتے ہو۔"

حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے اس مقام پر رسول مقبولؐ کی سنت پر عمل کیا۔ اور رسول مقبولؐ کی سنت کے احترام میں آپ نے افضل الناس فرزند کو بھی اپنے بعد خلیفہ نامزد نہ کیا اور آنحضرتؐ کی پیروی میں ہی خلیفہ کے انتخاب کا معاملہ عام مسلمانوں کی رائے پر چھوڑ دیا۔ عوام کے لیے نواسہ رسولؐ سے بڑھ کر اور کون عزیز ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سب نے حضرت حسن علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ حضرت حسنؑ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی خطبہ ارشاد فرمایا:

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس

سے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے ۔ رسول اللہ لڑائیوں
میں اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجا کرتے تھے ۔ وہ کسی جنگ
میں ناکام نہیں لوٹا ۔ میکائیل اور جبرائیل چپ و راست اس کے
جلو میں ہوتے تھے ۔ اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی
تنخواہ سے بچ رہے تھے، سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا ۔ یہ
درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لیے جمع کئے تھے ۔" (۴۹)

حضرت امیر معاویہ قصاص عثمانؓ کی آڑ لے کر حضرت علیؓ سے برسرپیکار رہ چکے تھے ۔ لیکن آپ کے زمانے میں حضرت معاویہ کی عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا پوری نہ ہو سکی ۔ چنانچہ آپ کی شہادت کے بعد انھوں نے موقع غنیمت جان کر عراق پر لشکر کشی کر دی ۔ حضرت حسنؓ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آپ نے قیس بن سعدؓ انصاری کو ہراول دستے کا سربراہ بنا کر مقابلے کے لیے بھیج دیا ۔ آپ خود پیچھے روانہ ہوئے ۔ مدائن پہنچ کر آپ نے فوج میں کم ہمتی کے آثار پائے ۔ چنانچہ آپ وہیں رک گئے اور فوج کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی:

"لوگو! میں کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل میں کینہ
نہیں رکھتا اور تم کو اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے اپنی
ذات کو دیکھتا ہوں ۔ میں تم لوگوں کے سامنے ایک رائے پیش
کرتا ہوں ۔ امید ہے کہ تم مسترد نہ کرو گے ۔ جس اتحاد اور یک
جہتی کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس اختلاف اور تفرقے سے افضل و
بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو ۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر
لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور کمزوری دکھا رہے ہیں ۔
اس لیے میں تم لوگوں کو تمھاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں
چاہتا ۔"

اس تقریر کے بعد حضرت حسنؓ نے مسند خلافت پر متمکن رہنا مناسب

خیال نہ فرمایا اور خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ درحقیقت آپ خلافت کے چنداں خواہشمند نہ تھے۔ لوگوں نے منتخب کیا تو آپ نے تختِ خلافت سنبھال لیا اور جیسے ہی مسلمانوں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزیاں کیں آپ نے خلافت چھوڑ دی۔ دراصل خلافت کا منصب آپ کے لیے ذریعہ عزت نہ تھا۔ بلکہ آپ خود خلافت کے لیے عزت کا سبب تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی مسند نشینی سے تقریباً چھ ماہ بعد امر خلافت حضرت معاویہ کے سپرد کر دیا۔ بعض نادان اور جاہل لوگ حضرت حسنؑ کی خلافت سے دستبرداری پر معترض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے والدِ گرامی حضرت علی المرتضیٰ کی پیروی نہیں کی اور اپنے دشمن کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ ان لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ حضرت حسنؑ شہرت و عزت کے بھوکے نہ تھے سبطِ پیمبر ہونے کا شرف مسندِ خلافت کی عزت سے کہیں زیادہ تھا۔ انھیں عوام نے تختِ خلافت پر بٹھایا تھا۔ چنانچہ جب آپ نے محسوس کیا کہ لوگ انھیں اس مقام پر دیکھنا نہیں چاہتے تو آپ نے منصبِ خلافت سے دستبرداری دے دی۔ آپ کے نزدیک امیر کے انتخاب کا حق عوام کو حاصل تھا۔ لہذا عوام نے آپ کی بیعت کے استقرار میں کمزوری دکھائی تو آپ نے تختِ خلافت چھوڑ دیا۔ شامی تو حضرت حسنؑ کے ازلی دشمن تھے ہی، خلافت سے دستبرداری پر منفسد اور ابن الوقت عراقی بھی آپ کے دشمن ہو گئے۔ چنانچہ وہ آپ کو "مذل المومنین" اور "عار المسلمین" کے بے ہودہ القابات سے نوازتے رہے۔ یہ معاملہ ویسا ہی وقوع پذیر ہوا جیسا کہ حضرت علیؑ کے زمانے میں واقع ہوا تھا۔ خارجیوں نے خود ہی تحکیم پر زور دیا اور جب تحکیم کو تسلیم کر لیا گیا تو خود ہی مخالف ہو گئے۔ ان لوگوں کی دشمنی اور عناد نے تو یہاں تک شدت اختیار کی کہ آپؑ کی شان میں نازیبا الفاظ کو ثواب خیال کرنے لگے۔

حضرت حسن علیہ السلام نے حضرت امیر معاویہ کے آپؑ کے خاندان سے عناد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے سامنے چند شرائط پیش کی تھیں جو فریقین کے

درمیان باقاعدہ طور پر طے پائیں۔ پہلی شرط یہ تھی کہ کسی عراقی کو محض پرانی دشمنی کی بنا پر گرفتار نہ کیا جائے اور بلا استثنا سب کو امان دی جائے۔ دوسری یہ کہ اہل عراق کے ساتھ نرمی برتی جائے۔ تیسری یہ کہ حضرت علیؑ پر سب و شتم نہ کیا جائے۔ بعض روایات میں دارالجبرد کے پورے خراج کا حضرت حسنؑ کے لیے مخصوص ہونا، کوفے کے بیت المال کا کل روپیہ انھیں دیا جانا اور ان کے لیے دو لاکھ سالانہ کے وظیفے کا مقرر کیا جانا بھی مرقوم ہے۔ قطعی طور پر لایعنی اور سفید جھوٹ ہیں۔ یہ روایات یقینی طور پر دشمنان اہل بیت کی وضع کردہ ہیں۔ رسول مقبولؐ اور علیؑ کے پروردہ وہ حسنؑ جن کے نانا نے زندگی بھر کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہ کھایا، جن کے والد کے گھر بعض اوقات فاقے پر فاقے ہوتے تھے اور وہ اپنی خلافت کے زمانے میں بھی باسی روٹی کے سخت ٹکڑے پانی میں بھگو کر نرم کر کے تناول فرمایا کرتے، کیا ایسی ادنیٰ اور خود غرضی پر مبنی شرائط پیش کر سکتے تھے۔

اگر تاریخ میں مرقوم تمام روایات کو درایت سے قطع نظر کر کے من و عن تسلیم کر لیا جائے تو کسی پاک دامن کا دامن بھی داغ دار ہونے سے نہیں بچتا۔ چنانچہ روایت کے ساتھ ساتھ درایت کا استعمال ہی ہمیں بدگمانیوں، گناہوں اور گمراہیوں سے بچا سکتا ہے۔ حضرت حسن علیہ السلام کی ذات گرامی تو اس قدر اعلیٰ و ارفع تھی کہ آنحضرت رسول مقبولؐ سے بخاری شریف (کتاب الصلح) میں حدیث مروی ہے:

"حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو (ایک مرتبہ) منبر پر دیکھا جبکہ حسنؑ بن علیؑ آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ کبھی لوگوں کی طرف اور کبھی ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے، "میرا یہ بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔"

در حقیقت حسنؑ کے دشمنوں کے ان پر اتہام سراسر بے بنیاد اور لغو ہیں۔

ان بدبختوں نے جہاں حضرت حسنؑ کو بے حد طامع قرار دیا ہے وہاں ان پر یہ تہمت بھی لگائی ہے کہ بقول بعض نوے اور بقول بعض تین سو شادیاں کیں۔ ایک مسخرے نے آپ کے متعلق رقم کیا ہے کہ آپ نے سی صد یعنی تین ہزار شادیاں کی تھیں۔ اگر اس الزام کو تاریخ کے آئینے میں درایت کو راہنما بنا کر دیکھا جائے تو بالکل بے بنیاد ثابت ہوگا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتا۔ گو طلاق کو چند در چند وجوہات کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے تاہم اس اباحت کے باوجود اسے گران اور ناپسندیدہ فعل شمار کیا گیا ہے۔ اب یہ بات احاطہ عقل میں نہیں آتی کہ نبیؐ و علیؑ کے پروردہ ایک عابد و زاہد شخص نے بالغ ہونے کے بعد اپنی تیس سالہ زندگی میں کس طرح ۸۶، ۲۹۶ یا ۲۹۹۶ طلاقیں دے ڈالیں۔ آخر وہ کون سے اسباب تھے کہ اتنی مختصر مدت میں اتنی طلاقیں دینے کی نوبت آئی۔ آپ کی اولاد کی کل تعداد سترہ بتائی جاتی ہے جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ آپ نے معمول سے زیادہ شادیاں نہیں کیں۔ اگر خدانخواستہ کرتے تو اولاد کا کثیر التعداد ہونا لازمی تھا لہذا کثرت ازدواج کا الزام آپ پر قطعی طور پر بے بنیاد اور لغو ہے جو آپ پر دشمنان اہل بیت (دشمنان آل عبا) نے عائد کیا۔

امر خلافت سے دستبردار ہونے پر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے جہاں آپ کا کام احیائے دین ہی رہ گیا تھا۔ آپ کے انتقال کی وجہ کے متعلق مشہور روایت یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے آپ کو زہر دیا تھا۔ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کے اشارے پر جعدہ نے یہ گناہ عظیم مول لیا تھا۔ شاہ معین الدین ندوی اپنی مشہور تصنیف تاریخ اسلام حصہ اول میں ان روایات کی تردید کرتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ آپ کو آپ کے کسی دشمن کے ایماء پر ہی زہر دیا گیا تھا۔ جس بدبخت ازلی نے مال و دولت کے بدلے جعدہ کے ایمان کو خرید لیا وہ شخص خواہ امیر معاویہ ہوں یا کوئی دوسرا

مقصود شامی یا عراقی بہر حال زہر دلانے والا دشمنان آل عبا (دشمنان اہل بیت) میں سے ہی تھا۔

حضرت حسن علیہ السلام انتہائی رحم دل اور مرنجاں مرنج انسان تھے۔ چنانچہ جعدہ کا کسی بھی بنا پر آپ سے اس حد تک ناراض ہونا کہ نواسہ نبی کو زہر دے دے محالات اور ناممکنات سے دکھائی دیتا ہے۔ تعدد ازدواج کی بنا پر زہر دیا جانا بعید از عقل ہے۔ بایں سبب کہ عربوں میں تعدد ازدواج ایک معمول تھا جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو حضرت امام حسینؑ کو واقعے سے آگاہی بخشی حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب زہر دینے والے فرد کا نام پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ "نام پوچھ کر کیا کرو گے؟" انھوں نے جواب دیا۔ "قصاص میں قتل کروں گا" فرمایا۔ "میرا گمان صحیح ہے تو خدا خود بدلہ لے گا اور اگر غلط ہے تو میں کسی کا ناکردہ گناہ میں پکڑا جانا روا نہیں سمجھتا۔ لہذا آپ نے زہر دینے والے کا نام تک نہ بتایا۔

حضرت حسن علیہ السلام افراد بنو امیہ کی بد طینتی سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت حسینؑ کو وصیت کر دی کہ اگر حضرت عائشہؓ کی اجازت کے باوجود مروان بن حکم وغیرہ انھیں ان کے ناناؐ کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیں تو قتال نہ کرنا اور جنت البقیع کے عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ آپ کی رحلت ربیع الاول ۴۹ھ میں ہوئی۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت حسنؑ کا خیال درست نکلا۔ چنانچہ آپ کی شہادت کے بعد جب جنازہ روانہ ہوا تو مروان آپ کی رسول مقبولؐ کے قریب تدفین میں مزاحم ہوا۔ علامہ سلمان منصور پوری اپنی شاہکار تصنیف رحمۃ اللعالمین کی دوسری جلد میں رقمطراز ہیں کہ جب حضرت امام حسنؑ کے جسم اطہر سے روح انور پرواز کر گئی تو امام حسینؑ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور ان سے حضرت حسنؑ کی آنحضرتؐ کے

پہلو میں تدفین کی اجازت چاہی ۔ انھوں نے کہا، نعم و کرامۃ یعنی ہاں اور میں اسے عزت سمجھتی ہوں ۔ مروان بن حکم نے جو مدینے کا حاکم تھا جب یہ واقعہ سنا تو بولا کہ وہ جھوٹا ہے اور وہ (حضرت عائشہ) بھی جھوٹی ہے ۔ حسن یہاں کبھی بھی دفن نہ ہوگا ۔ عثمان کو تو انھوں نے قبرستان میں بھی دبانے نہ دیا اور اب حسن کو عائشہ کے گھر میں دفن کرنا چاہتے ہیں ۔ حضرت سلمان منصور پوری نے حاشیے پر تحریر کیا ہے

"مروان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمان غنی پر منجانب باغیان قوم جو ظلم و ستم ہوئے اس میں اہل بیت نے بھی کچھ حصہ لیا تھا ۔ مگر یہ بہتان عظیم ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان ظالموں نے اپنے افعال کو چھپانے کے لیے حضرت عثمان کو سپر بنا لیا تھا ۔ ورنہ ان کو حضرت عثمان غنی سے کوئی مناسبت نہ تھی ۔"

شقی ازلی مروان بن حکم نے سبط رسول کے جنازے پر تیروں کی بارش کر دی اور انھیں حضرت عائشہ کے حجرے میں آنحضرتؐ کے مرقد کے قریب دفن نہ ہونے دیا ۔ حضرت امام حسینؓ نے برادر بزرگ کی وصیت کے سبب ضبط سے کام لیا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا ۔ تہذیب التہذیب میں مرقوم ہے کہ آپ کے ارتحال پر ملال پر مدینے میں صف ماتم بچھ گئی ۔ بازار بند ہو گئے ۔ گلیوں میں سناٹا چھا گیا ۔ بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک ماہ تک سوگ منایا ۔ حضرت ابوہریرہؓ مسجد نبوی میں فریاد و فغاں کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے ، لوگو آج خوب رو لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا ۔ (۱۴)

سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام کے علمی وارث تھے ۔ نیز حسن صورت اور حسن سیرت ہر دو میں نبی کریمؐ کے مشابہ تھے اور مکارم اخلاق میں خلق محمدیؐ کا نمونہ تھے ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت آپ کا دل پسند مشغلہ تھا ۔ ضبط و تحمل میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا ۔ مروان بن حکم بھی آپ کی

اس صفت کا مظہر تھا۔ آپ حاجت مندوں کی حاجت روائی کو اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ اعتکاف کے دائرے سے بھی باہر آ جایا کرتے اور ضرور تمندوں کی حاجت روائی کر کے واپس اعتکاف میں تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کے انتقال پر ملال سے اہل بیت اطہار علیہم السلام میں صرف حضرت حسینؑ امت کی سختیوں کو جھیلنے کے لیے اس دار فانی میں اکیلے رہ گئے۔ آپ کی اولاد بارہ بیٹوں اور پانچ بیٹیوں پر مشتمل تھی جن میں سے قاسمؑ اور عبداللہ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ آپ کی نسل حضرت زیدؓ، حسن مثنیٰؓ حسین الاثرمؒ اور عمرؓ سے جاری رہی۔ بعد میں حسینؒ اور عمر کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ چنانچہ اب دنیا میں زیدؓ اور حسن مثنیٰؒ کی اولاد ہی باقی ہے۔ (۱۱۱)

حضرت امام حسن علیہ السلام کے چند خصوصی فضائل

(۱)

حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جبکہ حسن بن علیؑ آپ کے شانہ پر تھے۔ آپ فرماتے تھے، "اے اللہ! میں اسے دوست رکھتا ہوں، تو بھی اسے دوست رکھ۔" (۱۱۲)

(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے کسی عراقی شخص نے محرم کی بابت پوچھا کہ وہ مکھی کو قتل کر دے (تو کیسا ہے؟) انھوں نے کہا کہ اہل عراق مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھتے ہیں حالانکہ انھوں نے رسولؐ خدا کی صاحبزادی کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا،

"یہ دونوں حسنینؑ میری دنیا کی آرائش کے پھول ہیں۔" (۱۱۳)

(۳)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حسنؑ بن علیؑ نے زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی۔ نبیؐ نے آپ کو منع کرنے اور کھجور پھینک دینے کے لیے بطور تنبیہ کے کخ کخ کہا اور فرمایا۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ (آلِ محمدؐ) صدقہ نہیں کھاتے۔" (۱۱۴)

(۴)

حضرت رسول مقبولؐ نے حضرات حسنین شہیدینؑ کے لیے فرمایا ہے:

انھما سیدالشباب اھل الجنۃ

(یہ دونوں (حسنینؑ) نوجوانانِ بہشت کے سردار ہیں۔) (۱۱۵)

(۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "الہیٰ میں اس کو (حسنؑ بن علیؑ) چاہتا ہوں۔ تو بھی اس کو چاہ اور اس کو چاہ جو اس کو چاہے۔" (۱۱۶)

اقبالؒ اور عقیدتِ حضرت امام حسن علیہ السلام

آں یکے شمع شبستان حرم
حافظِ جمعیتِ خیرالامم
(اقبالؒ)

علامہ اقبالؒ قرآن کریم، احادیث نبویؐ اور تاریخ اسلام کا بنظر عمیق مطالعہ کرکے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امتِ مسلمہ کے جملہ افراد کے لیے دنیا میں حصول عزت و وقار اور عقبیٰ میں سرخروئی اور کامیابی اہلِ عبا (اہلِ بیتؑ) کی ولا میں ہی مضمر ہے۔ آپ کے نزدیک عشق خدا اور دین اسلام کے داعی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں، جبکہ عشق رسولؐ اور نصرتِ دین حق میں پیش پیش امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام، اطاعتِ شوہر اور فرمانبرداری والدین میں لاثانی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام، جاہ و جلال، سطوتِ تختِ سلطنت سے بے نیازوں کے سالار اور اتحاد بین المسلمین کے عملی مبلغ حضرت حسن علیہ السلام ہیں۔ اہل عبا (اہل بیتؑ) کے پانچویں فرد حضرت امام حسین علیہ السلام ہی اسلامی اصولوں کے محافظ اور اس کے لیے تن، من دھن، اور اپنی آل و اولاد کو قربان کرنے والے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ علامہ اقبالؒ نے ان نفوسِ مقدسہ اور افرادِ پاک کی اطاعت و پیروی کو عامۃ المومنین کے لیے لابدی لکھا اور اس کا اظہار بھی بھرپور انداز میں کیا۔ آپ کو حضرت حسنؑ سے انتہائی انسیت اور عقیدت تھی۔ اس الفت کا واحد سبب حضرت حسن کا اتحاد و اتفاقِ امتِ مسلمہ کے لیے تخت خلافت سے دست برداری ہے کہ انھوں نے اس قربانی سے مسلمانوں کو آپس کی خونریزی سے بچا لیا۔

علامہ اقبال نے باقی افراد پنجتن کی طرح حضرت حسن علیہ السلام کی منقبت میں کوئی طویل قصیدہ تو نہیں لکھا تاہم اس ضمن میں جو دو تین اشعار لکھے ہیں وہ بلا مبالغہ دوسرے شعراء کے بڑے بڑے قصیدوں پر فائق ہیں۔

آئیے اب ہم علامہ اقبال کے ان چند اشعار سے ان کی حضرت امام حسن علیہ السلام سے عقیدت کا اندازہ کریں۔

فارسی اشعار

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم
حافظِ جمعیتِ خیر الامم

تا نشیند آتشِ پیکار و کیں
پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں
(۱۴۷)

منظوم اردو ترجمہ

حضرتِ سبطِ پیمبر مرکزِ پرکارِ عشق

ہیں پسرِ زہرا کے آپ اور کارواں سالارِ عشق
درحقیقت آپ اک شمعِ شبستانِ حرم
امتِ عاصی کے حافظ ہیں حسنؑ والا حشم

وارثِ شیرِ خدا نے تخت کو ٹھکرا دیا
تاکہ صلح و آشتی کا ہو سکے روشن دیا

علامہ اقبال کا اردو شعر

واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہرا کا میں
غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافعِ محشر مجھے
(۸۸)

اجمالی سوانح و سیرتِ حضرت امام حسین علیہ السلام

فرزندِ رسولؑ ، دلبندِ علیؑ و بتولؑ ، میدانِ مباہلہ کے ننھے مجاہد ، " ذبحِ عظیم کے مصداق ، شہزادۂ خیرالملل ، امامِ عاشقاں اور سروِ بستانِ رسولؐ سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام ۵ شعبان المکرم ۴ھ کو مدینے میں عالمِ ارواح سے اس رزم گاہِ خیر و شر میں جلوہ افروز ہوئے ۔ تقریباً سات سال تک اپنے محترم المقام نانا سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی ۔ آنحضرتؐ ان سے والہانہ محبت کرتے تھے ۔ اس امر کا قوی امکان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضورؐ کو حضرت امام حسینؑ کی مظلومانہ شہادت کی خبر دی ہوگی جبھی تو آپؐ ان سے بے مثال وابستگی رکھتے تھے ۔ " رسولِ مقبولؐ کا یہ معمول تھا کہ جب کبھی آپؐ کسی غزوے سے واپس تشریف لاتے تو اولاً مسجد میں شکرانہ کی نماز ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہؑ کے پاس پہنچتے اور ان سے ملنے کے بعد اپنے دولت کدے پر تشریف لے جاتے ۔ (۱۱۹)

ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء میں محمد بن اسامہ بن زید سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ رسولِ مقبولؐ نے فرمایا ، " اے علیؑ! تم میرے داماد اور میرے بیٹے کے باپ ہو ۔ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں ۔ " یہ روایت اس حقیقت پر شاہدِ عادل ہے کہ حضرات حسنینؑ آپؐ کے

فرزندان عزیز ہیں اور آپؐ کی نسل انھی سے جاری ہوئی، جاری رہی اور بفضلہ تعالیٰ تا قیام قیامت جاری رہے گی ۔ یہی سبب تھا کہ جب ۹ھ میں آنحضرتؐ کو بارگاہ لمیزلی سے حکم ہوا کہ وفدِ نجران سے مباہلہ کیا جائے تو آپؐ انفسنا میں حضرت علیؑ کو نسائنا میں حضرت فاطمہؑ کو اور ابنائنا میں حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو ہمراہ لے گئے اور اس امر پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ حضرات حسنینؑ آپؐ کے فرزندان دلبند ہیں ۔ درحقیقت میدان مباہلہ میں رسول مقبولؐ نے اپنا تمام نسلی سرمایہ پیش کر دیا تھا ۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ نجرانی وفد نے میدان چھوڑ دیا اور مباہلہ نہ کیا ۔

ختمی مرتبتؐ کا انتقال پرملال سب مسلمانوں کے لیے ایک روح فرسا حادثہ تھا ۔ حضرت عمرؓ اس اچانک صدمے سے اپنے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھے تھے اور رحلتِ رسولِ مقبولؐ تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے ۔ دریں حالات اہل بیتؑ کے رنج و الم کا اندازہ ہو ہی نہیں سکتا تھا ۔ حضرت حسینؑ کی عمر اس جانکاہ سانحے کے وقت تقریباً ساڑھے چھ سال تھی ۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بچہ شعور کی ابتدائی منازل میں داخل ہو رہا ہوتا ہے ۔ اور اس عمر میں زیادہ حساس ہونے کے سبب وارداتِ زمانہ سے بہت زیادہ اثر لیتا ہے ۔ اسی کمسن بچے کو صرف چھ ماہ کی قلیل مدت کے بعد دوسرا جانکاہ سانحہ برداشت کرنا پڑا، جو آپ کی والدہ گرامی حضرت فاطمہؑ کے ارتحال کی صورت میں وقوع پذیر ہوا ۔ والدہ گرامی کی رحلت کے بعد آپ کی پرورش اور تربیت حضرت علیؑ کے سایہ عاطفت میں ہوتی رہی، یہاں تک کہ آپ اپنے علمی اور روحانی ورثے کے ساتھ سن بلوغ کو پہنچے ۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے عہدِ خلافت میں آپ نے حق و باطل کے معرکوں میں بھرپور شرکت کی اور باطل کو مغلوب کرنے کی مساعی میں اپنی تمام تر توانائیاں خرچ کرتے ہوئے اپنے والد محترم کا ساتھ دیا ۔ آپ کی عمر سینتیس سال کی تھی کہ حضرت علیؑ بھی داغ مفارقت دے گئے اور آپ اپنے شفیق والد گرامی کے سایہ عاطفت سے بھی محروم

ہو گئے ۔ حضرت علیؑ کی شہادت کو ابھی دس سال کا عرصہ ہی گزرا تھا کہ حضرت حسن علیہ السلام کی شہادت کا غم بھی برداشت کرنا پڑا ۔ چنانچہ اپنے برادر بزرگ کے انتقال پر آپ اس دنیائے دنی میں صعوبتیں برداشت کرنے کے لیے یکا و تنہا رہ گئے ۔

حضرت امیر معاویہ کا انتقال ۶۰ ھ میں ہوا ۔ وہ بڑے سیاستدان تھے ۔ چنانچہ اپنی سیاسی بصیرت کی روشنی میں آپ نے مستقبل کے متوقع حالات کا جائزہ لیا اور مرتے وقت اپنے ولی عہد یزید کو مندرجہ ذیل وصیت کی:

"بیٹا! میں نے تیرے لیے میدان صاف کر دیا ہے ۔ تیرے مقابلے میں چار اشخاص میدان میں آسکتے ہیں ۔ ان میں سے پہلے عبداللہ بن عمرؓ، دوسرے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، تیسرے حسینؑ بن علیؑ اور چوتھے عبداللہ بن زبیر ہیں ۔ جہاں تک عبداللہ بن عمرؓ کا تعلق ہے وہ عابد و زاہد ہیں ۔ لہذا وہ مقابلہ پر نہ آئیں گے عبدالرحمن بن ابی بکر کو اپنے گھریلو بکھیڑوں سے ہی فرصت نہیں کہ مقابلہ کریں ۔ رہے حسینؑ بن علیؑ، تو لوگ یقینی طور پر انھیں تیرے مقابلے میں لائیں گے ۔ لیکن قابو پانے پر ان سے بدسلوکی نہ کرنا، کیونکہ وہ ہمارے رشتہ دار ہیں ۔ باقی رہا عبداللہ بن زبیرؓ، جو یقیناً تیرے خلاف صف آرا ہوگا ۔ وہ شخص لومڑی کی طرح کاوے دے کر شیر کی طرح حملہ کرے گا ۔ لہذا جب تو اس پر قابو پائے، تو اسے ہرگز نہ چھوڑنا ۔"

چنانچہ جیسے ہی یزید تخت سلطنت پر بیٹھا، اس نے عامل مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا، جس میں اپنے والد کے انتقال کی خبر دینے کے بعد تحریر کیا کہ حسینؑ بن علیؑ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ سے بیعت لے لو اور جب تک ان سے بیعت نہ لے لو، انھیں اپنے پاس سے جانے نہ دو ۔ جب یزید کا

خط ولید کے پاس پہنچا تو اس نے مروان بن حکم کو جو ولید سے پہلے مدینے کا حاکم تھا بلایا اور یزید کا خط دکھا کر اس سے مشورہ طلب کیا۔ مروان نے مشورہ دیا کہ اسی وقت ان اصحاب کو بلا کر انھیں بیعت کرنے پر مجبور کیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ تو حکومت کا طلبگار ہے ہی نہیں۔ اگر وہ بیعت نہ بھی کرے تب بھی کوئی خلل واقع نہ ہوگا۔ خطرہ ہے تو حسینؓ بن علیؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ انھیں اسی وقت بلایا جائے اور بیعت پر مجبور کیا جائے اگر بیعت کرلیں تو بہتر، ورنہ انھیں باہر زندہ نہ جانے دو۔ (۱۴۰)

ولید نے عبداللہ بن زبیرؓ اور حسینؓ بن علیؓ کو بلا بھیجا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے تو راتوں رات مکہ مکرمہ کا عزم کیا اور غیر معروف راستوں سے ہوتے ہوئے بخیریت منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ صبح ہونے پر جب ولید کو عبداللہ بن زبیرؓ کے مدینے سے نکل جانے کا علم ہوا تو اس نے ان کے پیچھے عسکری دوڑائے۔ ولید کے فرستادہ ان کے تعاقب میں گئے مگر انھیں نہ پا کر ناکام واپس لوٹ آئے۔ حضرت حسینؓ نے قاصد سے کہا کہ چلو میں آتا ہوں۔ چونکہ آپ کو بنو امیہ سے خطرہ لاحق تھا، لہٰذا آپ ہاشمی نوجوانوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر دارالامارہ تشریف لے گئے اور انھیں باہر چھوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ حاکم مدینہ کے ساتھ ان کی تلخ کلامی سنیں تو ان کی مدد کے لیے دارالامارہ میں داخل ہو جائیں۔ یہ ہدایات دے کر آپ خود تن تنہا حاکم مدینہ کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے مناسب تعظیم و تکریم کی اور حضرت امیر معاویہ کے انتقال کی خبر سنا کر یزید کے لیے بیعت حاصل کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپؓ کے انکار پر اس نے آپؓ کو سوچنے کی مہلت دے دی۔ چنانچہ آپ سلامتی کے ساتھ واپس اپنے گھر پہنچ گئے۔ حضرت حسینؓ کی حاکم مدینہ کے سامنے سے بخیریت واپسی پر مروان بہت پیچ و تاب کھا ہوا اور ولید سے کہا:

۰ افسوس تم نے میرا مشورہ نہ مانا اور حسینؓ کو واپس جانے دیا۔ اب جب تک تمھارے اور اس کے درمیان اچھی طرح خوں ریزی نہ ہولے تم اس پر قابو

نہیں پا سکتے۔"

ولید نے جواب دیا، "بڑے افسوس کی بات ہے۔ تم چاہتے ہو کہ میں حسینؑ کو قتل کر دوں۔ واللہ! قیامت کے دن جس شخص سے حسینؑ کے خون کا مطالبہ کیا جائے گا، وہ بڑے نقصان میں رہے گا۔(۳۱)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینۃ النبی کی حرمت کا پاس کرتے ہوئے اسے چھوڑ کر مکہ مکرمہ جانے کا عزم فرمایا۔ چنانچہ ۲۷ رجب المرجب ۶۰ھ کی رات کو مع اپنے خاندان کے مدینے سے مکے روانہ ہو گئے۔ حضرت محمد بن حنفیہ مدینہ میں ہی رہے۔ چونکہ والی مدینہ حضرت امام حسینؑ سے آپ کے علوئے مرتبت کے سبب جنگ کرنا نہ چاہتا تھا، لہٰذا اس نے مزاحمت نہ کی۔ چنانچہ حضرت حسینؑ مع اپنے اہل و عیال کے بعافیت مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ یہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

یزید کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد جب اس امر کی اطلاع کوفے پہنچی تو شیعان علیؑ کو سخت کوفت ہوئی اور انھوں نے یزید کی ظالمانہ حکومت سے گلو خلاصی کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ انھوں نے حضرت حسین علیہ السلام کو سینکڑوں خطوط لکھ ڈالے اور درخواست کی کہ انھیں فاسق و فاجر یزید کی استبدادی حکومت سے نجات دلائی جائے۔ ان لوگوں کی متواتر درخواستوں پر آپؑ نے کوفے جانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل کو حقیقتِ حال دریافت کرنے کے لیے کوفے بھیجا۔ کوفے میں اہالیانِ کوفہ نے آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا ایک مختصر سی مدت میں اٹھارہ ہزار بلکہ بعض مورخین کی تحریر کے مطابق تیس ہزار افراد نے حضرت مسلمؓ کے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لی۔ حضرت مسلمؓ نے اس امر کی اطلاع جنابِ حسینؑ کو دے دی۔ آپؑ نے کوفے جانے کی تیاری شروع کر دی جب آپ کے عزیزوں کو یہ معلوم ہوا تو وہ سب کے سب بہت متفکر ہوئے کیونکہ وہ اہالیان کوفہ کی متلون مزاجی، بے وفائی اور زمانہ سازی سے بخوبی واقف تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار نے بہت روکا کہ آپؓ کوفے نہ جائیں ۔ لیکن آپ نے ان حضرات کے مشورے کو قبول نہ فرمایا اور اپنے عزم پر بدستور قائم رہے ۔ آخر کار ۸ ذی الحجہ کو وہاں سے کوفے کے لیے روانہ ہو گئے حج سے صرف دو دن پہلے آپ کا مکہ مکرمہ سے روانہ ہونا احباب اور عامۃ الناس کے لیے بہت حیران کن تھا ۔ چنانچہ موجودہ زمانے میں بعض ناقدین اظہارِ تعجب کرتے ہوئے تنقید کرنے سے بھی نہیں چوکتے ۔ حالانکہ اگر وہ اسلامی تاریخ کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو اس حقیقت کا ادراک آسانی سے کر لیں گے کہ سبطِ رسولؐ نے جو کچھ کیا قطعی طور پر درست اور عین صواب تھا ۔ بات در حقیقت یہ تھی کہ آپؓ کو بیت اللہ کی حرمت کا انتہائی پاس و لحاظ تھا ۔ آپ نے اپنے والدِ گرامی سے سن رکھا تھا کہ حرم کا ایک مینڈھا حرم کی حرمت زائل کرنے کا باعث ہو گا ۔ چنانچہ آپ وہ مینڈھا بننا پسند نہ فرماتے تھے ۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ حرم محترم میدان کارزار بنے وہ مکہ مکرمہ میں قتال کو گناہِ عظیم گردانتے تھے ۔

علامہ سلمان منصور پوری اپنی مقبول و معروف تصنیف " رحمۃ اللعالمین " میں مصعب بن زبیر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ امام حسینؓ نے مدینے سے پچیس حج پا پیادہ کئے تھے ۔ اب یہ امر قابلِ غور ہے کہ ایک ایسا شخص بغیر کسی خاص سبب کے حج جیسے اہم فریضے کو کیسے ترک کر سکتا ہے ۔ قرینے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسینؓ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ یزید کے جاسوس کارندے کہیں انھیں طوافِ کعبہ کے دوران ہی قتل نہ کر دیں جس سے حرم محترم کی حرمت زائل ہو جائے ۔ یہی واحد وجہ تھی جس کے باعث آپ حج بیت اللہ سے صرف دو روز پہلے مکے سے کوفے کے لیے عازم سفر ہوئے اور اس طرح اپنے آپ کو حرم میں ذبح ہونے والا مینڈھا قرار دئے جانے سے بچا لیا ۔ اس سلسلے میں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شامی بھی تو آخر مسلمان تھے ، وہ یقیناً حرم محترم کی حرمت کا پاس و لحاظ کرتے ، تو ان کا یہ کہنا سراسر ان کی سادہ لوحی قرار پائے گا ۔ بایں سبب کہ یہی وہ

شامی تھے جنھوں نے کعبۃ اللہ پر منجنیق سے اس قدر سنگ باری کی کہ اس کی دیواریں شق ہو گئیں ۔ علاوہ بریں روغن نفت کی پچکاریوں سے تیل چھوڑ کر آتشیں تیروں سے کعبے کے پردوں کو آگ لگائی ۔ پس ایسے اشقیا اور سیاہ باطن لوگوں سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ حضرت حسینؓ کو حرم کعبہ میں ہی قتل کر ڈالتے ۔

اس وقت جبکہ آپ مکے سے عازم کوفہ ہوئے آپ کے کچھ احباب ، خویش و اقربا اور اہل و عیال ہی ہمراہ تھے ۔ لیکن راستے میں لوگ آ آ کر شامل ہوتے گئے ۔ یہاں تک کہ ایک اچھا خاصا قافلہ بن گیا ۔ ابھی آپ چند منازل ہی طے کر پائے تھے کہ آپ کو ابن زیاد کے کوفے پر تسلط ، کوفیوں کے آپ کی بیعت سے انحراف اور حضرت مسلمؓ کی شہادت کی المناک خبر ملی ۔ آپ نے سوائے صداقت بیان سے فقط " انا للہ و انا الیہ راجعون " فرمایا اور اپنا سفر جاری رکھا ۔ جب حضرت حسینؓ کو متواتر ایک ہی طرح کی خبریں ملتی رہیں تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے تقریر کی اور فرمایا:

> " مسلم بن عقیلؓ اور ہانی بن عروہ کے قتل کی خبریں موصول ہو چکی ہیں ۔ ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے ۔ تم میں سے جو شخص لوٹنا چاہے وہ بلا تامل لوٹ جائے ۔ ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں ۔ "

یہ تقریر سن کر لوگ چھٹنے شروع ہو گئے اور صرف وہی باقی رہے جو آپ کے ساتھ مدینے سے آئے تھے یا وہ چند مخلص خدام جو راستے میں آپ کے ساتھ ہوئے تھے ۔ (۳۲)

زبالہ سے آگے بڑھ کر بطن عقبہ میں بنو عکرمہ کا ایک شخص ملا اور آپ کو واپس جانے کا مشورہ دیا ۔ آپؓ نے فرمایا ، " میں اللہ کا حکم بہر حال بجا لاؤں گا ۔ "

قادسیہ سے جونہی آگے بڑھے عبیداللہ بن زیاد ، والی عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حر بن ریاحی ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ

ہو لیا۔ اسے حکم تھا کہ حضرت حسینؓ کے ساتھ لگا رہے اور اس وقت تک پیچھا نہ چھوڑے جب تک انھیں عبیداللہ ابن زیاد کے روبرو نہ پہنچا دے۔ (۱۴۳)

حضرت امام حسینؓ نے حر بن ریاحی اور اس کے سپاہیوں کے سامنے کئی خطبے دئے، جن میں ان پر اپنے حقوق جتلائے۔ لیکن آپ کی انتہائی کوشش کے باوجود حر آپ کے ساتھ لگا رہا۔ راستے میں آپ نے ایک جگہ ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ کی تقریر یہ تھی:

"معاملے کی جو صورت ہو گئی ہے، تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا۔ منہ پھیر لیا۔ نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا تلچھٹ باقی ہے۔ افسوس! تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ باطل پر اعلانیہ عمل کیا جا رہا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آ گیا ہے کہ بندہ حق کی راہ میں رضائے الٰہی کی خواہش کرے۔ میں شہادت کی موت ہی چاہتا ہوں، ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ایک جرم ہے۔" (۱۴۴)

حر اپنی فوج کے ساتھ کربلا تک حضرت امام حسینؓ کے قافلے کے ساتھ ہی رہا۔ آپؓ ۲ محرم الحرام ۶۱ھ کو کربلا کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔ دوسرے دن عمر بن سعد چار ہزار فوج لیے ہوئے وہاں پہنچ گیا۔ عمر بن سعد نے قاصد آپؓ کی خدمت میں بھیجا اور دریافت کیا کہ آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟۔ آپ نے وہی جواب دیا جو حر کو دے چکے تھے۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا، "اب کہ ہمارے پھندے میں آ پھنسا ہے، چاہتا ہے نجات پائے مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں۔" پھر جواب لکھوایا، "حسین سے کہو کہ پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ کیا کرنا چاہئے۔ کوئی حسین اور ان کے ساتھیوں تک نہ پہنچنے پائے۔ پانی بھی نہ پینے پائیں۔ جس طرح عثمانؓ بن عفان پانی سے محروم رہے تھے۔"

عمر، سعد بن ابی وقاصؓ کا لڑکا تھا اور قریشی ہونے کے ناطے سے آپ کا قرابتدار بھی تھا۔ عبیداللہ بن زیاد کا عمر بن سعد کو حکم تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے یزید کی بیعت لے، اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو ان کا سر لے کر آئے۔ حکومت کا لالچ اور عبیداللہ بن زیاد کا خوف اسے حضرت حسینؓ سے آمادہ پیکار کرتے تھے اور حسینؓ سے اس کی نسلی قرابت اور آپؓ کا بلند مرتبہ اسے قتال سے محترز رہنے کی طرف مائل کرتے تھے۔ اس کے ضمیر میں حق و باطل کی یہ آویزش جاری رہی۔ آخر الامر نفس امارہ نے غلبہ کیا اور عمر بن سعد نے جنگ میں ہی عافیت سمجھی۔ تاہم متردد ضرور رہا اور افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ عمر بن سعد کی جنگ میں اس غیر معمولی تاخیر پر ابن زیاد بہت برافروختہ ہوا۔ چنانچہ اس نے شمر ذی الجوشن کو مزید فوج دے کر بھیجا۔ عمر بن سعد کو لکھا کہ اسے نامہ و پیام کے لیے نہیں بھیجا گیا تھا۔ اگر حسین یزید کی بیعت نہیں کرتے تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے، یہاں تک کہ وہ قتل ہو جائیں۔ اگر وہ یہ مہم سرانجام نہیں دے سکتا تو فوج کی کمان شمر ذی الجوشن کے سپرد کر دے۔ عمر بن سعد حرص و آز کا بندہ تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت حسینؓ سے جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ ۷ محرم کو حضرت حسینؓ پر پانی بند کر دیا گیا۔ جب حضرت حسینؓ کے قافلے والے پیاس سے بے چین ہوئے تو آپؓ نے حضرت عباس علمدار کو پانی لانے کا حکم دیا۔ برادر بزرگ اور سالار قافلہ کے حکم کی تعمیل میں حضرت عباسؓ بیس پیدل اور تیس سوار لے کر دریائے فرات پر پہنچے اور پانسو شامی و کوفی سپاہیوں سے جنگ کر کے انھیں دریا کے کنارے سے پرے دھکیلا اور بیس مشکیں پانی سے بھر لائے۔ ۹ محرم کو نماز عصر کے بعد عمر بن سعد فوج لے کر میدان میں پہنچ گیا۔ حضرت حسین علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک شب کی مہلت طلب کی جو عمر بن سعد کی طرف سے مل گئی۔ رات کو آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے عبادت الہیٰ میں وقت صرف کیا۔ نماز فجر کے بعد آپؓ نے اپنے ساتھیوں پر زور دیا کہ وہ خود کو ہلاکت

میں نہ ڈالیں اور آپ کا ساتھ چھوڑ جائیں۔ لیکن وہ سب کے سب اس بات پر قطعاً راضی نہ ہوئے اور موت تک آپ کی نصرت کے سابقہ عہد پر قائم رہنے کی توثیق کی۔ حضرت زین العابدین علیہ السلام سخت بیمار تھے۔ آپؑ نے انھیں وصیت فرمائی۔ ۱۰ محرم کا خونیں سورج غیر معمولی سرخی لیے طلوع ہوا۔ حضرت حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کی صف بندی اس طرح پر کی کہ میمنہ پر زہیر ابن قین کو مقرر کیا۔ میسرہ پر حبیب ابن مظاہر کو سالار بنایا۔ علم اپنے بھائی حضرت عباسؓ کو عطا فرمایا۔ خیموں کی پشت پر خندق میں آگ روشن کر دی گئی، تاکہ دشمن اس سمت سے حملہ آور نہ ہو سکیں۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت حسینؑ نے بعد حمد و ثنائے باری تعالیٰ دشمنوں سے خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا:

> • اے لوگو! جلدی نہ کرو۔ پہلے میری بات مانو۔ مجھ پر تمھیں سمجھانے کا حق ہے۔ اسے پورا کر لینے دو اور آنے کی وجہ بھی سن لو اگر تم میرا عذر قبول کر لو گے اور مجھ سے انصاف کرو گے تو تم انتہائی خوش بخت انسان ہو گے۔ لیکن اگر تم نے اس کے لیے تیاری نہ کی تو تمھاری مرضی۔ تم اور تمھارے شریک سب مل کر میرے خلاف زور لگا لو اور مجھ سے جو برتاؤ کرنا چاہتے ہو کر ڈالو۔ اللہ میرا کارساز ہے اور وہی اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔ • (۲۵)

مزید فرمایا:

> • لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو، میں کون ہوں۔ پھر اپنے گریبان میں منہ ڈالو۔ اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو۔ کیا تمھارے لیے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمھارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا اور اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہؓ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر الطیارؓ میرے چچا نہیں ہیں۔ کیا تم نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے
اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے تھے۔ "سید الشباب اہل الجنۃ"
(جنت میں نوعمروں کے سردار)۔ اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور
سچا ہے، کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر
آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا، تو بتلاؤ، کیا تمھیں برہنہ تلواروں
سے میرا استقبال کرنا چاہیئے۔ اگر تم میری بات کا یقین نہیں
کرتے، تو ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں، جن سے تصدیق کر سکتے
ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے پوچھو، سہل بن سعدؓ ساعدی سے
پوچھو، زید بن ارقمؓ سے پوچھو، انس بن مالکؓ سے پوچھو۔ وہ
تمھیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں
کیا یہ بات بھی تمھیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟
واللہ! اس روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود
نہیں۔ میں تمھارے نبیؐ کا بلا واسطہ نواسا ہوں۔ مجھے کس لیے
ہلاک کرنا چاہتے ہو؟ کیا میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کیا کسی کا
خون بہایا ہے؟ کیا کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا
قصور کیا ہے؟ (۱۳۶)

بعدہ آپؑ نے کوفیوں کے نام لے لے کر ان کے خطوط کے حوالے دئے جن میں
آپ سے جلد از جلد کوفے پہنچنے اور یزید کے ظلم سے نجات دلانے کی درخواست کی
گئی تھی۔ کوفیوں نے آپ کی کسی بات کا جواب نہ دیا اور ساکت و صامت رہے۔
اللہ تعالیٰ نے حر بن یزید ریاحی کو ہدایت دی۔ اسے غیرت آئی۔ وہ اپنی فوج سے
گھوڑا آگے بڑھا کر نکلا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گستاخی کی معافی چاہی
آپؑ فرزند رحمۃ اللعالمین تھے، لہٰذا آپؑ نے اسے گلے سے لگایا اور "جزاک اللہ فی

الدارین " فرمایا۔ اس طرح وہ آپ کے ساتھیوں میں شامل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عمر بن سعد نے اپنی کمان سے پہلا تیر چھوڑا اور یہ کہتے ہوئے جنگ کی طرح ڈالی۔
"لوگو گواہ رہنا، سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔"

عمر بن سعد کے تیر پھینکتے ہی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ پہلے فرداً فرداً مقابلے ہوتے رہے، جس میں حضرت حسینؑ کا پلہ بھاری رہا۔ یہ دیکھ کر عمر بن سعد نے جنگ مغلوبہ کا حکم دے دیا۔ ادھر چند نفوس اور ادھر ہزارہا اشخاص کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ حسینؑ کے ساتھی ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے۔ دشمن نے نماز ظہر کے لیے بھی لڑائی بند نہ کی۔ چنانچہ صلوۃ الخوف ادا کی گئی۔ حضرت حسین علیہ السلام جب خیام کو لوٹے تو آپ کے فرزند ارجمند حضرت علی اکبرؑ، حضرت جعفر طیار کے پوتے عونؑ و محمدؑ اور حضرت قاسمؑ بن حسنؑ بھی آپؑ سے اجازت لے کر باری باری شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔ آپ کا شش ماہہ بچہ علی اصغرؑ (مولانا ابو الکلام آزاد اپنی کتاب شہید اعظم میں نو مولود تحریر فرماتے ہیں) تشنگی سے جاں بلب تھا۔ آپؑ اسے دونوں ہاتھوں میں اٹھائے اشقیاء کے سامنے لے آئے اور فرمایا:

"یہ ششماہہ بچہ تشنگی کے سبب مر رہا ہے، اسے تھوڑا سا پانی دے دو۔ بیعت تو میں نے نہیں کی، تمہارا قصوروار میں ہوں، یہ بچہ نہیں ہے۔"

اشقیا کی سنگدلی ملاحظہ کیجیے کہ ان لوگوں کا دل نہ پسیجا اور کسی نے اس تشنہ دہن بچے کو پانی نہ پلایا۔ ہاں، ایک ظالم نے اپنی سخت کمان سے ایک جانستاں تیر چھوڑتے ہوئے یہ ضرور کہا، "حسین! یہ لو پانی۔" قادر انداز کماندار کا تیر عین ہدف پر پہنچا اور حلقوم علی اصغرؑ کو چھیدتا ہوا حضرت امام حسین علیہ السلام کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے "انا للہ و انا الیہ راجعون" فرمایا اور بچے کی لاش کو اس کے بھائیوں کے پاس خیام میں پہنچا دیا۔ اب حضرت امام حسین علیہ السلام تن تنہا رہ گئے۔ آپؑ کے تمام اصحابؑ، اعزا و اقربا کام آ چکے تھے۔ حضرت

امام زین العابدین علیہ السلام سخت بیمار تھے۔ بیماری کی شدت کے سبب تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد غش کھاتے تھے۔ چنانچہ آپ خیام سے نکل کر اشقیاء کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ صفیں الٹتے ہوئے دریائے فرات تک پہنچ گئے اور دریا میں گھوڑا ڈال دیا۔ وفادار گھوڑے نے پانی میں منہ نہ ڈالا۔ آپ نے پانی اس لیے نوش نہ فرمایا کہ جب پورا خاندان ہی تشنہ دہن شہید ہوا، وہ پانی کیسے پئیں۔ چنانچہ تیروں کی بارش میں پھر لوٹے۔ فوج پر دوبارہ حملہ کیا اور اپنے پدر بزرگوار حضرت علی المرتضیٰ کی جنگ کا نقشہ پیش کر دیا۔ آپ جدھر سے نکلتے صفیں درہم برہم ہو جاتیں۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ تاہم تابہ کے، زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے شانے پر تلوار کا وار کیا۔ سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا۔ اس کی کاری ضرب سے آپ گھوڑے سے فرشِ زمین پر آرہے۔ شقی ازلی نے سر مبارک کاٹ لیا اور خولی بن یزید اصبحی کے حوالے کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! ۔ سنان بن انس نخعی نے سر مبارک لیے ہوئے عمر بن سعد کے خیمے کے سامنے کھڑے ہو کر انتہائی جوشیلے انداز میں ارتجالاً دو شعر پڑھے جن کا مفہوم تھا:

"مجھے سونے چاندی سے لاد دو۔ میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے۔ میں نے اسے قتل کیا ہے جس کے والدین سب سے افضل تھے اور وہ اپنے نسب میں سب سے اچھا ہے۔"

عمر بن سعد نے اسے اندر بلا لیا اور خفا ہوا۔ "واللہ تو مجنون ہے۔" پھر اپنی لکڑی سے اسے مار کر کہا۔ "پاگل ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا، اگر عبید اللہ بن زیاد سنتا تو تجھے مروا ڈالتا۔" (۴۷)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسلام کے اصولوں کی حفاظت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں مع اپنے خاندان اور ساتھیوں کے بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کی، اپنے بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں کی قربانیاں دیں، یہاں تک کہ اپنی زندگی کو بھی قربان کر دیا۔ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یا ایھا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ٥ ان اللہ مع الصبرین ٥ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ، بل احیاء و لکن لا تشعرون ٥ ولنبلونکم بشئی من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات ۔ و بشر الصبرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ٥ اولئک علیھم صلوات من ربھم و رحمۃ ۔ و اولئک ھم المھتدون ٥ (سورۃ البقر ، آیات ۱۵۳ تا ۱۵۷)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ، مدد چاہو ساتھ صبر کے اور نماز کے ، تحقیق اللہ ہے ساتھ صبر کرنے والوں کے ۔ اور مت کہو واسطے ان لوگوں کے جو مارے جاتے ہیں راہ میں خدا کے کہ مردے ہیں ، بلکہ جیتے ہیں یعنی زندہ ہیں ۔ ولیکن تم نہیں سمجھتے ۔ اور البتہ آزماویں گے ہم ، تم کو ساتھ ایک چیز کے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان مالوں کے سے اور جانوں کے سے اور پھلوں کے سے ۔ اور بشارت دے صبر کرنے والوں کو ، وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے ان کو مصیبت ، کہتے ہیں تحقیق ہم واسطے اللہ کے ہیں ، اور تحقیق ہم طرف اس کے پھر جانے والے ہیں ۔ یہ لوگ اوپر ان کے ہیں درود پروردگار ان کے کا اور رحمت ۔ اور یہ لوگ ہیں راہ پانے والے ۔ (۱۲۸)

در حقیقت امتِ مسلمہ میں صرف حضرت حسینؑ ہی ہیں کہ جنھوں نے ان تمام آیات کی عملی تفسیر پیش کی ۔ آپ نے کربلا میں بوقتِ ابتلا ، نماز اور صبر سے اپنے آپ کو قوت دی اور ثابت قدم رہے ۔ آپ راہِ خدا میں شہید ہوئے ۔ چنانچہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں ۔ آپؑ کے اس دنیا سے قطع تعلق کی ماہیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے ، جس کی وجہ سے آپؑ کو مردوں میں شمار کرتے ہیں ۔ مثل مشہور ہے کہ " جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے ۔ " رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سید البشر تھے ۔ لہٰذا ان کے فرزند اطہر کا امتحان ان کے ہی رتبے کے مطابق لیا گیا ۔ دشتِ کربلا میں اشقیا کی تلواروں کے خوف میں مبتلا کیا ۔ آپؑ کو اپنے اہل و

عیال ، اعزا و اقربا ، یہاں تک کہ آپ کی اولاد (بجز زین العابدین علیہ السلام) کی قربانی بھی پیش ہوئی ، لیکن آپ نے ہر نقصان پر " انا للہ و انا الیہ راجعون " فرمایا ۔ نقصان مال کی کسر رہی تھی جو آپ کی شہادت کے بعد پوری ہو گئی ۔ بایں سبب آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و رحمت کے مستحق ہو کر ہدایت یافتہ ٹھہرے ۔

(۳۹)

اگر ہم تاریخ عالم پر نظر ڈالیں تو پائیں گے کہ وہ ایسی جامع قربانی پیش کرنے سے قاصر ہے ۔ صحابہ کرام خصوصاً عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بلا شبہ بڑی عظمت والے ہیں ۔ تاہم ان میں سے کوئی بھی ایسی ابتلا سے نہیں گزرا جس سے حضرت امام حسین علیہ السلام گزرے ۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے سخت امتحان سے گزرنے کے لیے ظرفِ حسین کی ہی ضرورت تھی ۔ حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل کی قربانی دی اور بارگاہِ الٰہی میں وہ قبول بھی ہوئی ۔ تاہم اس کا فدیہ " ذبح عظیم " قرار پایا ۔ بعض لوگ " ذبح عظیم " سے مراد وہ مینڈھا لیتے ہیں ، جو جنت سے آیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ذبح ہوا ۔ یہ امر مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے ۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایک اولوالعزم پیغمبر تھے ۔ ان کا " ذبح عظیم " فدیہ بھلا ایک مینڈھا کیسے ہو سکتا ہے (خواہ وہ جنت ہی سے کیوں نہ لایا گیا ہو) ۔ بعض لوگ " ذبح عظیم " سے مراد ہم لوگوں کے عید الاضحیٰ پر قربان کئے جانے والے جانور لیتے ہیں ، جو کسی طرح درست نہیں ہے ۔ کیا ہمارے دو چار ہزار روپے میں خرید کئے ہوئے جانور " ذبح عظیم " قرار دئے جا سکتے ہیں اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ہو سکتے ہیں ؟ نہیں اور ہرگز نہیں ۔ حقیقت یہی ہے کہ خیر البشر سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سبط ارجمند حضرت حسینؑ ہی " ذبح عظیم " کے مصداق قرار دئے جا سکتے ہیں اور وہی حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ ہو سکتے ہیں ۔ فرزند رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہی اپنی قربانی راہِ خدا میں دے کر " ذبح عظیم " کا خطاب

حاصل کیا ہے۔ مفکر اسلام، شاعر مشرق، علامہ اقبالؒ نے آپ کو "ذبحِ عظیم" قرار دیا ہے۔ علاوہ بریں مولانا ابو الکلام آزاد نے بھی اپنی کتاب "شہیدِ اعظم" میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی کو ہی "ذبحِ عظیم" اور حضرت اسماعیل کا فدیہ شمار کیا ہے۔

درحقیقت وہ لوگ عقلِ سلیم سے بہرہ یاب نہیں ہیں جو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کو "اتفاقیہ" قرار دیتے ہیں۔ ان کی بات درایت کے قطعاً خلاف ہے۔ امر واقعہ یہ تھا، جس پر تاریخ اسلام مہر تصدیق و توثیق ثبت کرتی ہے، کہ حضرت حسینؓ نے یزید کی بیعت اس کے باپ امیر معاویہ کی زندگی میں باوجود سختی کے نہیں کی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ امیر معاویہ نے اپنے انتقال کے وقت یزید کو بتلا دیا تھا کہ حسینؓ اس کا ضرور مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ ہوا بھی یہی کہ یزید کے تخت نشین ہونے پر آپؓ نے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ حرمین شریفین کی حرمت کا پاس و لحاظ وہاں سے یزید کے خلاف خروج کرنے میں مانع تھا، لہٰذا آپؓ نے اس مقصد کے لیے کوفے کو ترجیح دی۔ مزید برآں کوفے کے طالبانِ حق نے آپ کو حق کی حفاظت کے لیے مدعو بھی کیا۔ یہ دوسری بات تھی کہ اہلِ کوفہ کمزور طبیعت ہونے کے سبب بنو امیہ کی سختیوں کے سامنے ہتھیار ڈال بیٹھے اور ان کی پست ہمتی اور جبن نے انھیں حق کی حمایت کے راستے پر قائم نہ رہنے دیا ورنہ یہ امر ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ان کی دعوت مبنی بر اخلاص ہی تھی، جیسا کہ آنے والے زمانے میں "توابین" کی قربانیوں نے ثابت کر دیا۔

مؤرخین کو چاہیے کہ وہ اصولِ درایت کو پیشِ نظر رکھیں۔ تاریخی روایات کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ وضعی ہے جسے بنو امیہ کی ہزار مہینوں کی استبدادی حکومت کے دور میں وضع کیا گیا۔ درحقیقت مؤرخین نے درایت کا خیال نہ کیا اور جو روایت بھی انھیں ملی اسے من و عن سپردِ قلم کیا۔ ایسی ہی روایات میں ایک روایت میں عمر بن سعد سے آپ کی جو شرائط منقول ہیں، وہ درایتاً مبنی بر حقیقت

دکھائی نہیں دیتیں۔ روایت یوں ہے:

حضرت حسینؓ نے عمر بن سعد کے سامنے میدان کربلا میں جنگ سے پہلے تین شرطیں پیش کیں۔ اولاً یہ کہ مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں۔ دوئماً یہ کہ مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو۔ سوئماً یہ کہ مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہے مجھ پر بھی گزر جائے گی۔

اس روایت کی پہلی شق بایں سبب درایتاً غلط معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ کا تجربہ اس امر پر شاہد عادل تھا کہ قریش نے آپ کے پدر بزرگوار حضرت علیؓ کا ساتھ کبھی نہیں دیا۔ چنانچہ حضرت حسینؓ اس بات کو خوب جانتے تھے کہ اہالیان مکہ آپ کی مدد نہیں کریں گے۔ مکہ چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے تسلط میں تھا لہٰذا واپسی پر وہاں انھیں کسی اچھے سلوک کی توقع بھی نہ تھی۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھلا آپ کیسے اپنی وہاں واپسی کی شرط رکھ سکتے تھے۔ مکے میں بھی آپؑ کے ساتھ وہی کچھ ہونا تھا جو کربلا میں ہوا۔ لہٰذا آپ نہیں چاہتے تھے کہ حرم کعبہ کی حرمت کے زائل ہونے کا سبب بنیں۔ مدینہ پہلے ہی سے بنو امیہ کے استبدادی تسلط میں تھا۔ چنانچہ وہاں سے آپ کو یزید کی بیعت کئے بغیر جان کی امان نہ مل سکتی تھی اور وہاں بھی وہی حادثہ وقوع پذیر ہونے کی توقع تھی جو کربلا میں وقوع پذیر ہوا۔ اگر آپ مدینے کو جائے امن و سکون پاتے تو وہاں سے روانہ ہی نہ ہوتے۔ لہٰذا اندریں حالات آپ مدینے واپسی کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتے تھے۔ درحقیقت شرط کی یہ پہلی شق کسی طرح مبنی بر حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔

شرائط نامے کی دوسری شق اس لیے ساقط الاعتبار ہے کہ جب حضرت حسین علیہ السلام خوب جانتے تھے کہ یزید فاسق و فاجر ہے پھر بھلا وہ اس سے معاملہ طے کرنے کی خواہش کیسے کر سکتے تھے۔ حق و باطل میں افہام و تفہیم یا صلح کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں ہوا کرتی۔ درحقیقت سوال بیعت کا تھا۔ جس کی

فقط دو ہی صورتیں ہو سکتی تھیں ۔ یا تو یہ کہ یزید کی بیعت کر لی جاتی اور اسلام کے زریں اصولوں کو پامال ہوتے دیکھ کر خاموشی اختیار کی جاتی جس سے اجتناب کیا جاتی ۔ یا بیعت سے انکار پر قائم رہا جاتا، جس کی سزا سوائے قتل کے اور کچھ تھی ہی نہیں ۔ چنانچہ آپ کا یہ خواہش کرنا کہ مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کرنے دو، ناقابل یقین ہے ۔

اس نام نہاد معاہدے کی تیسری شرط بھی درایت کے اصول سے گری ہوئی ہے ۔ اس سے حضرت حسینؑ کا مسلمانوں اور شریعتِ اسلام سے لاتعلقی کا اظہار ہوتا ہے، جس کی توقع شارعِ علیہ السلام کے فرزند سے کبھی بھی نہیں کی جا سکتی بات بڑی مختصر ہے اور وہ یہ کہ حضرت حسینؑ حفاظتِ خلافتِ علیٰ منہاج النبوت اور تحفظ شریعتِ اسلام کے لیے اپنے آپ کو مکلف گردانتے تھے اور یزید کو اس کے تخت سے معزول کرنے کی مہم سرانجام دینے کو اپنا اولین فرض سمجھتے تھے ۔ آپؑ نہیں چاہتے تھے کہ شریعتِ اسلام سے لاتعلقی ان کی سنت بن کر مسلمانوں میں رواج پا جائے اور اس کے نتیجے میں مسلمان ایک فاسق و فاجر کو اپنا حکمران اور امام تسلیم کرنے کو روا شمار کرنے لگیں ۔ آپ نے اس خروج کے سلسلے میں جو کچھ بھی کیا وہ دینِ حق کی حفاظت کے لیے ہی کیا ۔

سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علیؑ کو ولی المومنین قرار دینا، حضرت فاطمۃ الزہرا کو سیدۃ النساء فرمانا اور حضرات حسنؑ اور حسینؑ کو نوجوانانِ جنت کے سردار کہنا، بلحاظ قرابت و قربت ہرگز نہ تھا بلکہ ان کے عنداللہ بلند مقام پر فائز ہونے کی بنا پر تھا ۔ چنانچہ یہی سبب تھا کہ جب کبھی رسول مقبولؐ غصے میں ہوتے تو سوائے حضرت علیؑ کے کوئی دوسرا صحابی ان سے گفتگو کرنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا ۔ نیز حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیہا کی آمد پر آنحضورؐ فرطِ محبت سے سرو قد کھڑے ہو جایا کرتے تھے ۔ حضرت حسین علیہ السلام کو اپنے کندھے پر سوار فرماتے اور جب کوئی کہنے والا کہتا، "کیا اچھی سواری ہے" تو آپؐ فرما

دیا کرتے ۔ سوار بھی کیسا اچھا ہے ۔"

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یہ تمام امتیازات قریبی رشتہ داری کے باعث روا نہیں رکھے گئے ۔ آنحضرتؐ اللہ تبارک و تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے ۔ آپؐ کے نزدیک وہی فرد افضل تھا جو باری تعالیٰ کے نزدیک افضل اور مقرب ہو ۔ آپؐ اسی فرد کو معزز و موقر قرار دیتے تھے جو اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں مقبول ہو ۔ درحقیقت حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنؑ، اور حضرت حسینؑ سے آپؐ کی والہانہ محبت رشتہ داری کے لوث سے پاک تھی ۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ حضرت علی علیہ السلام کا ایک امتی کے ہاتھوں شہید ہونا، حضرت حسن علیہ السلام کو زہر دیا جانا اور حضرت حسین علیہ السلام کا میدان کربلا میں اعزا و اقربا کے ساتھ شہید ہونا، یقینی طور پر آنحضورؐ کے علم میں تھا ۔ جبھی تو آپؐ نے امت کو اہل بیت سے تمسک اور ان سے نیک سلوک کی وصیت فرمائی تھی ۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد تمام شہداء کے سر قلم کر کے نیزوں پر سوار، ساتھ لے جائے گئے ۔ لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روندا گیا ۔ خاندان نبیؐ کو لوٹا گیا اور خیام کو آگ لگائی گئی ۔ آل رسولؐ کو گرفتار کر کے پا بجولاں اور طوق در گلو، بے کجاوہ اونٹوں پر ہمراہ لے جایا گیا ۔ وہ مخدراتِ عصمت جنھیں سورج نے بھی کبھی ننگے سر نہ دیکھا تھا ۔ بے مقنع و ردا، برہنہ سر اشقیاء کے نرغے میں رہیں ۔ جب یہ لٹا ہوا قافلہ کوفے میں ابن زیاد کے روبرو لایا گیا تو اس شقی ازلی نے آل عبا (اہل بیتِ اطہارؑ) کی اہانت میں کوئی کسر نہ چھوڑی وہاں سے انھیں دمشق لے جا کر یزید کے دربار میں پیش کیا گیا ۔ چونکہ یزید کا مقصد تو پورا ہو ہی چکا تھا، لہٰذا اس نے شہداء کے پسماندگان کو دلا دے اور لوٹا ہوا مال واپس کرا کے مدینے جانے کی اجازت دے دی ۔

حضرت حسینؑ کی اولاد میں صرف امام زین العابدین علیہ السلام ہی زندہ بچے، جن سے آپ کی نسل دنیا میں جاری ہوئی ۔ آپؑ پروردہ نبیؐ و علیؑ تھے ۔ لہٰذا

آپ میں وہ تمام اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال موجود تھے، جن سے آپؑ کے جد محترمؐ اور والد گرامیؑ متصف تھے۔ علم دین میں کمال آپ کا ورثہ تھا اور شجاعت آپؑ کے لیے ترکہ۔ الحاصل آپ کی حیات طیبہ اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ شاعر مشرق، مفکر اسلام علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے :

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است

حضرت امام حسین علیہ السلام کے چند مخصوص فضائل

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "حسین میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔"
(ادب المفرد۔ بخاری)

۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا۔ "الہیٰ میں اس (حسین) سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔" (رحمۃ اللعالمین جلد دوم ص ۳۸)

۳۔ آنحضورؐ نے فرمایا، "یہ دونوں (حضرات حسنینؑ) نوجوانان بہشت کے سردار ہیں۔" (الاستیعاب)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، "یہ دونوں (حضرات حسنین) میری دنیا کے پھول ہیں۔" (بخاری شریف)

۵۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسینؑ کے سامنے اپنی زبان اپنے منہ سے نکالی۔ بچہ جب سرخ زبان دیکھتا تو اسے اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے لپکتا۔ یہ دیکھ کر عینیہ بن بدرؓ نے کہا، "حسینؑ آپ سے کھیل رہا ہے اور آپ اس سے کھیل رہے ہیں۔ میرا بھی ایک بچہ ہے، لیکن میں نے اسے کبھی نہیں چوما۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جو شخص پیار نہیں کرتا، اس سے پیار نہیں کیا جائے گا۔"
(ینابیع المودۃ از سلیمان الحسین البلخی)

اقبالؒ اور حبِ حضرت امام حسین علیہ السلام

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ
(اقبالؒ)

دنیا کے جملہ انسانوں میں حضرت علامہ اقبالؒ کی پسندیدہ شخصیات افراد آلِ عبا اطہار علیہم السلام ہی ہیں۔ ان پنج تن پاک میں تین ہستیاں ایسی ہیں جن سے علامہ موصوف والہانہ عشق اور بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ مقدس ہستیاں سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سیدنا حضرت علی المرتضیٰ اور سیدنا حضرت حسینؑ ہیں۔ آپ حضرت حسین علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ کو زندگی کی معراج قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک حضرت امام حسینؑ کی دشتِ کربلا میں سرفروشانہ جنگ اور قربانی امتِ مسلمہ کے لیے تا قیامت مشعلِ راہِ ہدایت ہے۔ آپ کو امام عالی مقام کی ذاتِ ستودہ صفات سے بے پناہ محبت ہے۔ چنانچہ اس جذبے کی شدت سے مجبور ہو کر آپ نے جگہ جگہ اپنی وارفتگی کا اظہار بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو سعیِ پیہم، طلبِ صادق، اخلاصِ عمل، بے لوث قربانی اور عشقِ حقیقی جیسی اعلیٰ اقدار سے خاص لگاؤ ہے۔ لہٰذا ان خصوصیات سے مزین ذات آپ کے لیے قابلِ صد ستائش ہے۔ آپ نے ان تمام اقدار کو امام عالی مقام کی ذات میں نمایاں پایا۔ چنانچہ آپ نے موصوف کے عشق کو سرمایۂ زندگی قرار دے کر وہ ہائے عقیدت پیش کیے ہیں جو قیامت تک تر و تازہ اور خوشبودار رہیں گے۔ ریئن کرام کے لیے علامہ کا فارسی کلام، منظوم اردو ترجمے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے

بسم الله الرحمن الرحیم

در معنی حریت اسلامیه و سر حادثهٔ کربلا

هر که پیمان با هوالموجود بست
گردنش از بند هر معبود رست

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است

عقل سفاک است و او سفاک تر
پاک تر ، چالاک تر ، بیباک تر

عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگان باز میدان عمل

عشق صید از زور بازو افگند
عقل مکار است و دامے می زند

عقل را سرمایه از بیم و شک است
عشق را عزم و یقین لاینفک است

آں کند تعمیر تا ویراں کند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی حریت اور حادثہ کربلا کے راز کی وضاحت میں

جس کسی نے بس فقط اللہ سے پیماں کیا
سب بتوں سے اک رہائی کا عجب ساماں کیا

مردِ مومن عشق سے ہے۔ عشق بن مومن نہیں
عشق کے رستے میں کوئی امر ناممکن نہیں

عقل ہے خونریز لیکن عشق ہے خونریز تر
عقل سے یہ خوب تر ہے۔ پاک تر۔ بے باک تر

ڈھونڈتی ہے عقل اسباب و علل کی کنجیاں
عشق بے پروا ہے۔ میدانِ عمل کا رازداں

عشق اپنے زورِ بازو سے ہی کرتا ہے شکار
عقل ہے مکار۔ عیاری کی یہ دیتی ہے مار

عقل اندیشہ ہے بس۔ بیباک یہ بے شک نہیں
عشق ہے عزم و یقیں۔ اس کے عمل میں شک نہیں

عقل کی تعمیر ہے۔ دراصل ویرانی کا نام

این کند ویراں کہ آباداں کند

عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہائے او گراں

عقل محکم از اساس چون و چند
عشق عریاں از لباس چون و چند

عقل می گوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن

عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است با خود در حساب

عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو

عشق را آرام جاں حریت است
ناقہ اش را ساربان حریت است

آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد
عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد

آں امام عاشقاں پور بتولؑ
سرو آزادے ز بستان رسولؐ

عشق ویرانی کے ذریعے بخش دیتا ہے دوام

عقل ہے مشل ہوا ، وافر بہت ارزاں بہت
عشق تو نایاب ہے ، ملتا نہیں آساں بہت

۲
عقل کے کالے بدن پر مصلحت کا ہے لباس
عشق عریاں اور حسیں ہے مصلحت سے بے لباس

عقل کہتی ہے کہ تجھ کو بس نمائش چاہیئے
عشق کہتا ہے کہ تجھ کو آزمائش چاہیئے

عقل کے تو آشنا ہیں بے شمار و بے حساب
اور فیض عشق سے ہوتے نہیں سب فیض یاب

عقل کہتی ہے کہ دادِ عیش دے اور شاد ہو
عشق کہتا ہے کہ بن تو بندہ اور آزاد ہو

عشقِ بے پروا کی ہاں آرام جاں ہے حریت
اونٹنی ہے عشق اس کی سارباں ہے حریت

کیا تجھے معلوم ہے عقل و ہوس کی زندگی
کر چکی ہے جنگ میں عشقِ جواں کی بندگی

وہ امام عاشقِ حق ، فاطمہؓ کا لاڈلا
ایک سرو خوشنما تھا مصطفیٰؐ کے باغ کا

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

بہر آن شہزادۂ خیر الملل
دوش ختم المرسلین ، نعم الجمل

سرخ رو عشق غیور از خون او
شوخی این مصرع از مضمون او

درمیان امت آن کیواں جناب
ہمچو حرف قل ہو اللہ در کتاب

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آمد پدید

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغ حسرت میری است

چون خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

خاست آن سر جلوۂ خیر الامم
چون سحاب قبلہ باراں در قدم

بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

جس کا بابا درحقیقت ۔ ب ۔ تھا بسم اللہ کی
جانشینِ اس نے کی آخر ذبح اللہ کی

بہترین امت کا جو خود سید و سردار تھا
جو سوار دوشِ احمدؐ بر سر بازار تھا

عشق مثلِ لالہ ، اب بھی سرخرو اس خوں سے ہے
شعر کی شوخی و سرخی بھی اسی مضموں سے ہے

امتِ مسلم کا دل ہیں حضرتِ عالی جنابؑ
جس طرح ہے قل ھواللہ آیۂ ام الکتاب

موسیٰؑ و فرعون کی مانند شبیرؑ و یزید
کر رہے ہیں حق و باطل از ازل قطع و برید

حق ہے زندہ آج بھی شبیرؑ تیرے خون سے
اور باطل لاش ہے ، آتی ہے بو ملعون سے

جب خلافت چھوڑ بیٹھی اصل میں قرآن کو
اور خطرہ ہو گیا تھا حرمت کی جان کو

مثلِ ابرِ رحمتِ حق ، وہ فضا پر چھا گیا
سارے انسانوں کو وہ اک معجزہ دکھلا گیا

سرخ پھولوں سے وہ صحرا مثلِ گلشن کر گیا
کربلا کو وہ بہاروں کا نشیمن کر گیا

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است

مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے با چنیں ساماں سفر

دشمناں چوں ریگِ صحرا لا تعد
دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

سرِ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

عزمِ او چوں کوہساراں استوار
پائدار و تند سیر و کامگار

تیغ بہر عزتِ دیں است و بس
مقصدِ او حفظِ آئین است و بس

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

تا قیامت ظلم کو برباد کرکے رکھ دیا
اس کے خوں نے اک چمن ایجاد کرکے رکھ دیا ۔

درحقیقت حق کی خاطر اس نے اپنا خوں دیا
تا قیامت اس لیے ٹھہرا بنائے لا الہ

صاف ظاہر ہے کہ مقصد سلطنت نہ مال تھا
اس لیے ایسا سفر تھا اور ایسا حال تھا

اس کے دشمن ریگِ صحرا کی طرح تھے بے شمار
اور بہتر ساتھیوں میں ہر کوئی تھا جانثار

دیکھیے تو ، رازِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ تھا
سوچیے تو ، سب کا سب اجمال کی تفصیل تھا

عزم میں وہ کوہساروں کی طرح تھا استوار
ہر قدم میں پختگی تھی ، ہر قدم تھا کامگار

دین کی عزت بچانا ہی اسے مطلوب تھا
ہو فقط حقانی آئیں ، یہ اسے محبوب تھا

وہ موحد تھا فقط اللہ کا وہ بندہ تھا
اور فرعونوں سے ٹکرانے کو ہی وہ زندہ تھا

اس نے اپنا خون دے کر راز افشاء کر دیا
قوم کے مردہ دلوں کو پھر سے زندہ کر دیا ۔

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگ ارباب باطل خوں کشید

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

رمز قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

شوکت شام و فر بغداد رفت
سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت

تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

اے صبا ، اے پیک دور افتادگاں
اشک ما بر خاک پاک او رساں

......*......

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا کہ مسلک شبیرم آرزوست

(۱۳۱)

ریگ عراق منتظر کشت حجاز تشنہ کام
خون حسینؓ باز دہ کوفہ و شام خویش را

(۱۳۲)

اس نے جب تلوار لا کی کھینچ لی تھی میان سے
اہلِ باطل جان دھو بیٹھے تھے اپنی جان سے

نقشِ الا اللہ لکھا کربلا پر خون سے
قوم کو چھڑوا دیا حضرت کے قانون سے

حضرتِ شبیرؑ نے قرآن سکھلایا ہمیں
معرفت کی روشنی کا بھید بتلایا ہمیں

شام اور بغداد و غرناطہ کی سطوت جا چکی
سارے ایوانوں کی رفعت اور شوکت جا چکی

اب تلک اسلام میں اس کے لہو سے جان ہے
اس کی تکبیرِ سحر سے تازہ دم ایمان ہے

اے صبا ! لے جا غریبوں بے کسوں کا یہ سلام
میرے آنسو پیش کر بر مرقدِ حضرت امامؑ

.....*.....

تیر و خنجر اور سناں ، شمشیر میری آرزو
تو نہ آ ، ہے مسلکِ شبیرؑ میری آرزو

تیرے لہو کے منتظر ریگِ عراق اور حجاز
مثلِ حسینؑ کر ادا کوفہ و شام میں نماز

[illegible] شاه خواجه [illegible] حسین
فقر عریاں وارث جذب حسین

(۳۳)

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر
مرگ پور مرتضیٰ چیزے دگر

(۳۴)

قلندر میل تقریرے ندارد
بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد
ازاں کشت خرابے حاصلے نیست
کہ آب از خون شبیرے ندارد

(۳۵)

یہ فیضِ چشم فاتحِ بدر و حنین ہے
یہ فقرِ سلطاں وارثِ جذبِ حسینؑ ہے

موت مومن کے لیے اک باعثِ معراج ہے
ابنِ حیدرؑ کی شہادت اک انوکھا کاج ہے

اک قلندر کے لیے بے فائدہ تقریر ہے
ہاں مگر یہ نکتہ اس کے واسطے اکسیر ہے
تیری دھرتی کوئی پیداوار دے سکتی نہیں
خونِ شبیرؑ کی پانی میں کہاں تاثیر ہے!

علامہ اقبال کا اردو کلام

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ

(۳۶)

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

(۳۷)

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

(۳۸)

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(۳۹)

اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری

(۴۰)

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

(۳۱)

جس طرح مجھ کو شہید کربلا سے پیار ہے
حق تعالی کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے

(۳۲)

رونے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں
کیا در مقصد نہ دیں گے ساقی کوثر مجھے

(۳۳)

O

" آل العباء رسول الله

وابنته ، والمرتضی

ثم سبطاه اذا جمعوا "

(تفسیر حسینی بحواله عین المعانی)

O

" آلِ عبا، (سیدنا محمد) رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم)، اور ان کی

بیٹی (حضرت فاطمہؓ)، اور (علی) مرتضیٰ

پھر ان (رسول اللہؐ) کے نواسے

(حسنؓ اور حسینؓ) یہ سب کے سب ہیں۔

O

" انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله

وعترتی اهل بیتی

(ترمذی شریف عن جابر ابن عبدالله)

O

مثل اهلبیتی کمثل سفینة نوح

من رکبها نجی و من تخلف عنها غرق

(مسند خوارزمی عن ابن عباس)

پایانِ کتاب

اللہ تبارک و تعالیٰ عز اسمہ کا بے حد فضل و کرم ہے کہ اس ذاتِ ستودہ صفات کی توفیق سے میں اس قابل ہوا کہ آل عبا علیہم السلام کی مدحت میں لکھے گئے اقبالؒ کے فارسی کلام کے منظوم اردو ترجمے کی مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں ۔ اقبالؒ نے جس جوش و خروش اور ولولہ و عقیدت سے افرادِ آل عبا (اہل بیت اطہار) کی توصیف و تعریف کی ہے وہ یقیناً انمول، گرانمایہ اور بے مثال ہے ۔ اس امر حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ فارسی اور اردو کے شعرائے سلف نے بھی اس موضوع پر گرانقدر اشعار کہے ہیں اور اپنی اپنی طرف سے گلہائے عقیدت ان بزرگ و مقدس افراد کی خدمت میں پیش کئے ہیں، تاہم اس میدان میں کوئی بھی اقبالؒ پر سبقت نہ لے جاسکا ۔ اپنے اس قول کے ثبوت میں اقبالؒ کے کلام سے انتخاب شدہ اشعار کے ساتھ شعرائے ماسبق کے اشعار بھی نقل کئے جا رہے ہیں تاکہ تقابل و موازنہ کرنا قارئین کے لیے آسان ہو جائے اور وہ اس حقیقت تک بآسانی پہنچ سکیں کہ ستائشگران آل عبا علیہم السلام کی صف میں علامہ اقبالؒ بلند و بالا اور نمایاں مقام پانے کے مستحق ہیں ۔ جو گیرائی و گہرائی اور جذب و کیفیت اقبالؒ کے اشعار میں پائی جاتی ہے دوسرے شعراء کے ہاں خال خال ہی ملتی ہے ۔ اس امر کے ثبوت میں مندرجہ ذیل امثلہ پیش کی جاتی ہیں:

مدحتِ آلِ عبا (آلِ کساؑ ۔ پنج تنؑ ۔ آلِ نبیؐ ۔ اہلِ بیتؑ)

(فارسی)

علامہ اقبالؒ

ز اندیشہ عافیت رسیدم
جنسِ غمِ آلِ تو خریدم

فردوسی طوسی

منم بندہ اہلِ بیتِ نبیؐ
ستایندہ خاکِ پائے وصیؑ

حافظ شیرازی

حافظ ز جاں محبِ رسولؐ است و آلِ او
بر ایں گواہ است خداوندِ اکبرم

(اردو)

علامہ اقبالؒ

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلِ بیت
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدرؑ مجھے

ولی دکنی

شہ دُر روزِ محشر سیتی سدا
کہ آلِ نبیؐ پر شہ آوے گی آل

دیا شنکر نسیم

کرتا ہے یہ وِرد زباں سے یکسر
حمدِ حق و مدحتِ پیمبرؐ
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے

یعنی کہ مطیع پنج تن ہے

آغا سکندر مہدی

نوع انساں کو اگر حق کی طلبگاری ہے
الفتِ آلِ عبا شرطِ وفاداری ہے

—

عرش و کرسی سے سوا مرتبہ آلِ عبا
جن کو خالق نے کیا طیب و طاہر پیدا
اہلِ مجلس میں ہوا تذکرہ آلِ عبا
مطلعِ روزِ ازل آئینہ حسن بنا

شہاب دہلوی

سرشارِ عشقِ آلِ نبیؐ کر دیا مجھے
اک ذرہ خفی تھا جلی کر دیا مجھے

—

اعدائے اہلِ بیتؑ ہیں نانا کے امتی
ان کے لیے دعا نہ کریں شہؑ تو کیا کریں

سید ہاشم رضا ہاشم

مدینے، مکے، نجف، کربلا کی باتیں ہیں
کہ جن کی خاک ہے سرمہ مآل بینوں کو
نبیؐ و آلِ نبیؐ کی ضیاء کا خرمن ہے
صلائے عام ہے مژدہ ہو خوشہ چینوں کو

مدحتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

(فارسی)

علامہ اقبالؒ

شور عشقش در نئے خاموش من
می تپد صد نغمہ در آغوش من
در تپیدن دمبدم آرام من
گرم تر از صبح محشر شام من

فردوسی طوسی

بگفتار پیغمبرت راہ جوی
دل از تیرگیہا بدیں آب شوی

شمس تبریزی

یا رسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی
برگزیدہ ذوالجلال پاک بے ہمتا توئی

امیر خسرو

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

سعدی شیرازی

از بہر شفاعت چہ اولوالعزم چہ مرسل
در حشر زند دست بدامان محمدؐ

جامی

رخ براں روضہ کن و خاک درش شو جامی
زانکہ تو بلبل باغ وفائی چمنی

اسداللہ خاں غالب

غالب ثنائی خواجہ بہ یزداں گذاشتم

کاں بذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

ظہیر احمد صدیقی ظہیر

آرزوئی خاک پائی تو شدن دارد ظہیر
رفعت فکرش ببیں سودائی خامش را نگر

(اردو)

علامہ اقبالؔ

بزم عالم میں طراز مسند عظمت ہے تو
بہر انساں جبرئیل آیہ رحمت ہے تو
اے دیار علم و حکمت قبلہ امت ہے تو
اے ضیائے چشم ایماں تمبو ہر مدحت ہے تو
درد جو انساں کا تھا وہ تیرے پہلو سے اٹھا
قلزم جوش محبت تیرے پہلو سے اٹھا

رفیع الدین سودا

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی
امانت دار نور احمدی ہوتی نہ پیشانی

محسن

اٹھوں گا لحد سے جب میں انشاء اللہ
دل میں احد اور زباں پر احمدؐ ہوگا

ناسخ

ناسخ نہیں ہے اس کے سوا فخر کچھ مجھے
ہوں امت جناب رسالت مآبؐ میں

جگر مرادآبادی

ایسے تھے آپؐ ہی کھولی زبان جس دم

دم بھر میں بے زباں تھے سارے زبان والے

داغ دہلوی

اے داغ بخشوائیں گے امت کے وہ گناہ
ہے آسرا جناب رسالت مآبؐ کا

شہاب دہلوی

نور وحدت سے رہیں آنکھیں ہماری روشن
سرمۂ عشق محمدؐ سے رہے پر تکحل
تکملۂ شوق کا ممکن ہی نہیں اس کے بغیر
ہے ضرورت کہ دھکتی رہے دل کی مستقل

آغا سکندر مہدی

کون کر سکتا ہے توصیف شہنشاہ امم
قاب قوسین کی منزل پہ گئے جس کے قدم
جس کو اللہ نے کونین کی شاہی دے دی
سنگریزوں نے نبوت کی گواہی دے دی

سہیل اختر

نور احمدؐ کے ضیا پاش تصور نے سہیل
ڈال دی ہے مرے سینے میں مدینے کی طرح

ـــــ

ذہن ہو جاتا ہے خوشبو سے معطر اختر
جب بھی ہم نعت رسولؐ دوسرا کہتے ہیں

مطلوب علی زیدی

آپؐ ہیں شمع ہدایت ، شہر علم معرفت
کعبہ رشد و ہدایت ہے مدینے کی زمیں

ساقئ غم خانۂ حق اک نظر مطلوب ہے
جام مے کی آرزو ہے یا شفیع المذنبین

مدحتِ علی مرتضیٰ علیہ السلام

(فارسی)

علامہ محمد اقبالؒ

مسلم اول شہ مرداں علی
عشق را سرمایہ ایماں علی
از ولائے دودمانش زندہ ام
در جہاں مثل گہر تابندہ ام

مزید

از ہوش شدم مگر بہوشم
گوئی کہ نصیری خموشم

ابو القاسم فردوسی

بریں زادم و ہم بریں بگذرم
چناں داں کہ خاک پئے حیدرم

شمس تبریزی

اے رہنمائی مومناں ، اللہ مولانا علیؑ
اے سر پوشِ غیب داں ، اللہ مولانا علیؑ
ملت ز تو جاں یافتہ ہم جانِ جاناں یافتہ
نقدِ فراواں یافتہ ، اللہ مولانا علیؑ

خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی

علیؑ نصیر و علیؑ ناصر و علیؑ منصور
علیؑ مظفر و غالب ، علیؑ سر و سردار
کہ نیست دین ہدیٰ را بقول پاک رسولؐ
امام غیر علیؑ ، بعدِ احمدِؐ مختار

میر تقی میر

یا علیؑ یا ایلیا ، یا بوالحسنؑ ، یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں ، شافع یوم الحساب

میرزا اسد اللہ خاں غالب

غالب نام آورم ، نام و نشانم مپرس
ہم اسد اللہ ام ، ہم اسد اللہی ام

(اردو)

ڈاکٹر محمد اقبال

ہے اقبال فیضِ نام مرتضیٰ جس سے
نگاہِ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے

ـــــ

فیضِ اقبال ہے اسی در کا
بندہ شاہِ لافتیٰ ہوں میں

خواجہ حیدر علی آتش

عاشق شیدا علی مرتضیٰ کا ہو گیا
دل مرا بندہ نصیری کے خدا کا ہو گیا

ناسخ

بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیرؑ کا
روح القدس ہے نام مرے ہم صفیر کا

میر تقی میر

رکھتے ہیں جھ سے چشم کرم صاحبِ نظر
افضل ہوئی سبب سے ترے خلقتِ بشر
تو مجمعِ کمال ہے تو مصدرِ کرم
ہے موردِ قبول دعا تیرے گھر کا در
ہے مولدِ شریف ترا خانۂ خدا

میرزا اسداللہ خاں غالب

غالب ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگیِ بوتراب میں

مسعود حسن شہاب دہلوی

کیسے نہ کوئی اس کی کرے قدر و منزلت
آغوش میں رسولؐ کے جو پائے تربیت
جس پر کھلا ہو پہلے پہل بابِ معرفت
علم و عمل کی زیرِ نگیں جس کے سلطنت
جو نکتہ سنج و نکتہ ور و نکتہ رس بھی ہے
داماد بھی ہے، بھائی بھی ہے، ہم نفس بھی ہے

آغا سکندر مہدی

تاجِ خاتونِ جناںؑ نفسِ پیمبرؐ ہیں علیؑ
بحرِ انوارِ الہٰی کے شناور ہیں علیؑ
دین اسلام کی شمشیر کے جوہر ہیں علیؑ
موجِ کوثر کی قسم، ساقیِ کوثر ہیں علیؑ
بات اژدر کی جو چھڑ جائے، علیؑ حیدر ہیں
جنگ کا نام جو آ جائے تو علیؑ صفدر ہیں

سہیل اختر

رفعتوں کا عرش ہیں عظمت کا پیکر ہیں علیؑ
رحمتِ ہر دوسرا ، بعد از پیمبرؐ ہیں علیؑ
جن کا دامن گوہر نایاب سے پر ہے سہیل
آگہی کے بحر کے ایسے شناور ہیں علیؑ

پروفیسر سید مطلوب علی زیدی مطلوب

میں مستِ جامِ نابِ مئے لالہ فام ہوں
درویش ہوں ، فقیر ہوں ، اک رندِ خام ہوں
مطلوب مجھ کو اپنے مقدر پہ فخر ہے
میں بابِ شہرِ علم ، علیؑ کا غلام ہوں

مدحت سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

و

امیر المؤمنین سیدنا علی علیہ السلام

(فارسی)

علامہ اقبالؒ

اے سر نبوتِ محمدؐ
اے وصفِ تو مدحتِ محمدؐ
بے تو نتواں باو رسیدن
بے او نتواں بتو رسیدن

فردوسی طوسی

اگر چشم داری بدیگر سرائے

بجز دو نبیؐ و علیؑ گیر جائی

شمس تبریزی

آں فلک لمی بشنو تا کہ بدانی
آں یار کہ او نفس نبیؐ بود علیؑ بود

حافظ شیرازی

بدوستی نبیؐ و علیؑ اساس نہاد
جہان و ہر چہ درو ہست ، خالق جبار
اگر نہ ذات نبیؐ و علیؑ بدے مقصود
جہاں بکتم عدم رفتے ہمچو اول بار
نوشتہ بر در فردوس کاتبان قضا
نبیؐ رسولؐ ، ولی عہد حیدر کرارؑ

(اردو)

علامہ اقبالؒ

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

میر تقی میر

عشق حق ہے کہیں ، نبیؐ ہے کہیں
ہے محمدؐ کہیں ، علیؑ ہے کہیں

شہاب دہلوی

نبیؐ کے ساتھ ہی مولا ہیں مومنوں کے علیؑ
وفا کی جس نے علیؑ سے وفا نبیؐ سے کی
نہیں کلام کہ محبوب مصطفیٰ ہیں علیؑ
خدا نے کی ہے علیؑ کی بھی قدر افزائی

ناشاد بدایونی

ساتھ سائے کی طرح گردِ نبیؐ پروانہ
شمعِ توحید محمدؐ تو علیؑ پروانہ
آپ کے باب میں سرکارِ دوعالمؐ نے کہا
" شہر ہوں علم کا میں اور علیؑ دروازہ "

مدحتِ سیدۃ النسا فاطمہ زہرا علیہا السلام

و

حضراتِ حسن و حسین علیہما السلام

(فارسی)

علامہ اقبالؒ

آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گرداں و لب قرآں سرا
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؑ

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم
حافظِ جمعیتِ خیرالامم
تا نشیند آتشِ پیکار و کیں
پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں

آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؑ

سرو آزادے ز بستانِ رسولؐ

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

حافظ شیرازی

ز بعدِ او حسنؑ ست و حسینؑ مجتبٰیؑ او
بجوئے جہل بریں کارِ مومن دیندار

سپاس منت و عزت خدائی را کہ نمود
رہِ نجات، و شدم از حیات برخوردار

بدشمناں نشیں حافظا تولا کن
نجاتِ خویش طلب، کن بجانِ ہشت و چہار

(اردو)

علامہ اقبالؒ

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسماعیلؑ

——

جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلا سے پیار ہے
حق تعالٰی کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے

——

رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں میں
کیا درِ مقصد نہ دیں گے ساقیِ کوثر مجھے

——

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

ولی دکنی

غم نیں ولی ہے مدام شاہ کا کمتر غلام
نت کیا وردِ زباں آہ دریغا دریغ

سلامت علی دبیر

دیکھو جہیز دخترِ سردارِ انبیاء
پانی کے پینے کے لیے اک مس کا بادیہ
بستر کو گوسفند کا پوست اور بوریا
مشکیزہ پانی بھرنے کو محنت کو آسیا
اک کاسہ چوب کا، کئی کوزے سفال کے
صدقے جہیز فاطمہؑ خوش خصال کے

۔۔۔۔

جلوہ تھا تا بہ عرشِ معلیٰ حسینؑ کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلیٰ حسینؑ کا

محمد ابراہیم ذوق

سبطینِ نبیؐ یعنی حسنؑ اور حسینؑ
زہرا و علیؑ کے دونوں وہ نورِ عین
عینک ہے تماشائے دوعالم کے لیے
اے ذوق لگا آنکھوں سے ان کے نعلین

حفیظ جالندھری

حبیبِ مصطفیٰ ہے مجاہدِ خدا ہے
جبھی تو اس کے سامنے فوج گرد گرد ہے

یہ بالیقیں حسینؑ ہے
نبیؐ کا نور عین ہے

شہاب دہلوی

احمدؐ ، علیؑ ، حسینؑ کہو بات ایک ہے
شکلیں الگ ہیں مگر ذات ایک ہے

—•—

رونا غم حسینؑ میں اک فرض عین ہے
پھر کیوں نہ فرض آنکھوں سے اپنی ادا کریں

—•—

نہ کٹاتے سر تو اسلام کس طرح بچتا
رضا خدا کی حقیقت میں تھی رضائے حسینؑ

آغا سکندر مہدی

جان خاتونؑ جناںؑ جان پیمبرؐ ہیں حسینؑ
وارث شیر خدا ثانی حیدرؑ ہیں حسینؑ
حسن اخلاق حسنؑ قوت شبرؑ ہیں حسینؑ
عظمت نوع بشر ، ہادی و رہبر ہیں حسینؑ
بڑھ گیا ان کے سبب حسن قبول اسلام
ان سے قائم رہے ، دنیا میں اصول اسلام

پروفیسر سہیل اختر

جلتے ہوں جس میں صبر و رضا کے ہزار دیپ
اس دشت کربلا کے شبستاں حسینؑ ہیں

—•—

بجز حسین کسی کو نہ ہو سکی توفیق

کہ فرقِ ناز کو نیزے پہ یوں سجا کے چلے

پروفیسر مطلوب علی زیدی

وہ فاطمہؑ، وہ علیؑ وہ نبیؐ کا نورِ عین
خدا کے دیں کی وجاہت ۔ حسینؑ ابنِ علیؑ
مباہلہ کا مجاہد ، شہیدِ کرب و بلا
منارِ راہِ صداقت ، حسینؑ ابنِ علیؑ
ہر ایک حال میں جس کو رضائے حق مطلوب
جہاد ہو یا ریاضت ، حسینؑ ابنِ علیؑ

ــــ

اے حسینؑ اے راکبِ دوشِ نبوت السلام
مہرِ حق، رشکِ رسل ، درِ امامت السلام
مصطفیٰؐ کے دین کو بخشی حیاتِ جاوداں
کاٹ ڈالی جڑ سے جڑ فرعونیت کی السلام
محسنِ انسانیت ، غارت گرِ حیوانیت
ابنِ شاہِ لافتیٰ ، شمعِ ہدایت السلام
کیوں نہ ہو مطلوب نازاں اپنی قسمت پر حسینؑ
جب کہ نسبت تجھ سے ہے، سردارِ جنت السلام

اگر مندرجہ بالا اشعار کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو قارئین پر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے گی کہ جو گہرائی ، گیرائی ، عقیدت ، ولا اور والہانہ محبت اقبالؒ کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ دوسرے شعرائے فارسی و اردو کے کلام میں موجود نہیں ہے ۔ مدحتِ آلِ عبا (اہلِ بیتؑ ، آلِ کسا ، آلِ رسولؐ ، آلِ نبیؐ) کا بیان فارسی و اردو کے شعرائے کرام کا معمول رہا ہے ۔ اگر سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے ۔ چنانچہ بڑی احتیاط کے ساتھ فارسی و اردو کے شعرائے

کرام کے اشعار سے انتخاب کیا گیا ہے تاکہ موازنے کا مقصد بھی حاصل ہو او
طوالت سے بھی بچا جاسکے ۔ یہ سب کچھ رضائے الہٰی کے حصول کے لیے کیا گیا ہے
باری تعالیٰ قبول فرمائے ۔ آمین ۔ ثم آمین ۔

بارگاہِ ایزدی میں قرب کا طالب

سید مطلوب علی زیدی

اظہارِ تشکر و امتنان

الحمد للہ رب العالمین ! میرا خوشگوار فرض ہے کہ میں سب سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کروں کہ جس ذاتِ ستودہ صفات نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ اپنی اولین کوشش کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں۔ میں نے جو کچھ قلمبند کیا اسی قادرِ مطلق کی خوشنودی اور اسی کی رضا کے حصول کے لیے کیا۔ چنانچہ اسی کی بارگاہِ معلیٰ سے " جزائے خیر فی الدارین " کا طالب ہوں۔ خالق حقیقی عزاسمہ کی حمد و ثنا اور اس کا شکر بجا لانے کے بعد میں اپنے قابلِ صد احترام والدین کا زیرِ بارِ احسان ہوں کہ انھوں نے میری تربیت بطریق احسن فرمائی خصوصی طور پر میرے والدِ گرامی کی پدرانہ شفقت ہی ہے کہ انھوں نے کتاب کی تدوین میں مجھے گراں قدر مشوروں سے نوازا اور ایک بڑی حد تک میری عملی اعانت بھی فرمائی۔ علاوہ ازیں میں حکیم الامت، مفکرِ ملت، شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کا بھی مرہونِ منت ہوں کہ میں نے ان کے کلام بلاغت نظام سے بھرپور استفادہ کیا۔ میں ان تمام کتابوں کے مؤلفین، مصنفین اور ناشرین کا بھی شکر گزار ہوں جن سے میں نے اپنی کتاب کی تدوین میں فیض حاصل کیا۔ میں اس امر کو بھی اپنا فریضہ قرار دیتا ہوں کہ بزرگوارم پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خاں شبلی کا تہِ دل سے شکریہ ادا کروں کہ جنھوں نے مہربانی فرماتے ہوئے میری کتاب پر " سخنے چند " قلمبند فرمایا اور مجھ پر ایک بڑا احسان کیا۔ میں ملک کے نامور شاعر و ادیب پروفیسر سہیل اختر کا بھی ممنون ہوں کہ موصوف نے کتاب کی تدوین اور زبان و

بیاں کے سلسلے میں گراں مایہ مشورے عنایت فرمائے اور "پیش لفظ" کے عنوان سے کتاب کا تعارف فرمایا اور اسے کمپیوٹر کمپوزنگ کے زیور سے آراستہ کرنے میں میری مدد فرمائی اور اسے طباعت و اشاعت کے قابل بنایا۔

میں اپنے فرض سے کوتاہی کروں گا اگر عالی قدر محترم شیخ نیاز صاحب کا خصوصی شکریہ ادا نہ کروں کہ جنھوں نے ماہِ ستمبر ۱۹۹۳ء میں ایک ملاقات کے دوران کتاب کی طباعت و اشاعت کے بارِ گراں کو برداشت کرنے کا وعدہ فرمایا اور اسے ایک اچھے انسان کی طرح ایفا بھی کیا۔ چنانچہ موصوف کے گراں قدر تعاون سے ہی میں اس قابل ہوا ہوں کہ اپنی اولین کاوش کو قارئین کرام کے مطالعے کے لیے پیش کر سکوں۔

باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذاتِ ستودہ صفات ان تمام اصحاب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے راقم الحروف کی کسی صورت میں بھی کوئی اعانت فرمائی آمین ۔ ثم آمین ۔

محب آلِ عبا اطہار علیہم السلام

سید مطلوب علی زیدی مطلوب

۱۔ گلشن ہال، میبرّ روڈ

ایکس متھ (انگلستان)

۳ مارچ ۱۹۹۵ء

حوالہ جات

۱۔ صحیح مسلم (باب مناقب علی)، ترمذی شریف، نسائی، مسند امام احمد، مستدرک حاکم وغیرہ۔ نیز سیرت النبی از شبلی نعمانی حصہ اول، ص ۲۴۸، طبع پنجم بحوالہ صحاح ستہ

۲۔ رحمۃ اللعالمین، جلد اول، ص ۴۰، بحوالہ ابوالفدا، ص ۱۱۷ (سیرۃ النبی حصہ اول ص ۲۱۱)

۲ (الف)۔ رحمۃ اللعالمین و سیرۃ النبی بحوالہ ابن ہشام

۳۔ زادالمعاد جلد اول، ص ۳۹۹

۴۔ تاریخ اسلام، جزاول (رشید اختر ندوی) ص ۲۱۹ بحوالہ طبری جز ۲، ص ۳۴۳۔ ۳۴۴، و ابن کثیر جزو ۲، ص ۲۱

۵۔ مستدرک حاکم اور مشکوۃ بحوالہ احمد، سیرت ابن ہشام اور طبری

۶۔ سیرت النبی حصہ اول ص ۲۸۷ بحوالہ صحیح بخاری

۷۔ بخاری شریف عن سعد بن ابی وقاصؓ در باب غزوہ تبوک

۸۔ بخاری شریف عن حضرت عائشہؓ

۹۔ رحمۃ اللعالمین، جلد اول، ص ۲۲۳ بحوالہ زرقانی

۱۰۔ اسرار و رموز (اقبال) ص ۲۰ تا ۲۲

۱۱۔ اسرار و رموز (اقبال) ۳۶، (مرحلہ اول اطاعت)

۱۲۔ اسرار و رموز (اقبال) ص ۵۱۔ ۵۲ (مرحلہ نیابت الہیٰ)

۱۳ ۔ اسرار و رموز ، ص ۱۸۸

۱۴ ۔ پیام مشرق (اقبال) ، ص ۸

۱۵ ۔ پیام مشرق (اقبال) ، ص ۲۰۸

۱۶ ۔ ارمغان حجاز (اقبال) ص ۴۹

۱۷ ارمغان حجاز (اقبال) ص ۳۶

۱۸ ۔ ارمغان حجاز (اقبال) ص ۸۹

۱۹ ۔ ارمغان حجاز (اقبال) ، ص ۲۷۸

۲۰ ۔ رحمۃ اللعالمین ، جلد دوم ، ص ۸۲ ، ۸۳

۲۱ ۔ تاریخ اسلام (رشید اختر ندوی) جلد اول ، ص ۲۲۳ ، بحوالہ الحق ، ص ۱۹۲ ، ۱۹۳

۲۲ ۔ تاریخ اشاعت اسلام (شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی) ص ۵۶ ، بحوالہ تاریخ طبری جلد اول ، حصہ سوم ، ص ۷۷

۲۳ ۔ مستدرک حاکم بروایت عبداللہ بن عباس ۔ مشکوٰۃ بحوالہ احمد اور طبری

۲۴ ۔ ابن اسحاق

۲۵ ۔ سیرت النبی بحوالہ ابن سعد اور اصابہ

۲۶ ۔ طبری (ترجمہ اردو) جلد اول حصہ سوم ، ص ۲۵۳ اور سیرت ابن ہشام ، ص ۲۶۹

۲۷ ۔ تفسیر موضح القرآن بسلسلہ تفسیر سورۃ الاحزاب

۲۸ ۔ صحیح بخاری

۲۹ ۔ سیرت النبی جلد اول ، ص ۴۸۸ بحوالہ تاریخ طبری

۳۰ ۔ بخاری شریف ، غزوہ تبوک

۳۱ ۔ تفسیر ابن کثیر (اردو) پارہ سورہ آل عمران ، ص ۱۷

۳۲ ۔ رحمۃ اللعالمین ، جلد اول ، ص ۳۴

۳۳ ۔ رحمۃ اللعالمین جلد سوم ، ص ۱۵۰

۳۴ ـ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ۔ \ شاہ ولی اللہ

۳۵ ـ تاریخ اسلام \ شاہ معین الدین ندوی ، ص ۳۰۳

۳۶ ـ رحمۃ للعالمین جلد اول ، ص ۲۵۷

۳۷ ـ بخاری شریف ، غزوہ تبوک

۳۸ ـ کامل ابن اثیر

۳۹ ـ کامل ابن اثیر ، ص ۳۱۸

۴۰ ـ تاریخ اسلام ، حصہ اول \ شاہ معین الدین ندوی ، ص ۲۳۳ بحوالہ ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا ۔

۴۱ ـ اسرار و رموز ، ص ۵۲ تا ۵۷

۴۲ ـ اسرار و رموز ، ص ۱۳۲ (حکایت بو عبیدہ و جابان در معنی اخوت اسلامیہ)

۴۳ ـ اسرار و رموز ، ص ۱۸۳ (در تفسیر سورۃ اخلاص)

۴۴ ـ پیام مشرق ، ص ۴۳

۴۵ ـ زبور عجم ، ص ۴۴

۴۶ ـ زبور عجم ، ص ۴۸

۴۷ ـ زبور عجم ، ص ۴۹

۴۸ ـ جاوید نامہ ، ص ۱۸

۴۹ ـ جاوید نامہ ، ص ۸۳

۵۰ ـ جاوید نامہ ، ص ۹۸

۵۱ ـ جاوید نامہ ، ص ۱۵۲

۵۲ ـ جاوید نامہ ، ص ۱۵۲

۵۳ ـ جاوید نامہ ، ص ۱۷۰

۵۴ ـ جاوید نامہ ، ص ۲۰۳

۵۵ ـ ارمغان حجاز ، ص ۴۲

۵۶ ۔ ارمغانِ حجاز، ص ۷۷

۵۷ ۔ یہ نظم جنوری ۱۹۰۵ء کے مخزن میں شائع ہوئی ہے ۔ بقول مدیر مخزن یہ نظم باظہارِ عقیدت شیخ صاحب صبح کے وقت پڑھا کرتے تھے ۔

۵۸ ۔ باقیاتِ اقبال، ص ۳۲ تا ۳۵

۵۹ ۔ بانگِ درا، ص ۵۱ (زہد و رندی)

۶۰ ۔ بانگِ درا، ص ۲۲۷ (جوابِ شکوہ)

۶۱ ۔ بانگِ درا، ص ۲۸۳ (میں اور تو)

۶۲ ۔ بانگِ درا، ص ۲۸۵ (میں اور تو)

۶۳ ۔ بانگِ درا، ص ۳۰۸ (طلوعِ اسلام)

۶۴ ۔ بالِ جبریل، ص ۹

۶۵ ۔ بالِ جبریل، ص ۳۲

۶۶ ۔ بالِ جبریل، ص ۵۷

۶۷ ۔ بالِ جبریل، ص ۶۱

۶۸ ۔ بالِ جبریل، ص ۸۳

۶۹ ۔ بالِ جبریل، ص ۹۳

۷۰ ۔ بالِ جبریل، ص ۹۸

۷۱ ۔ بالِ جبریل، ص ۱۱۸

۷۲ ۔ بالِ جبریل، ص ۱۹۲ (ایک نوجوان کے نام)

۷۳ ۔ بالِ جبریل، ص ۱۹۸ (ساقی نامہ)

۷۴ ۔ ضربِ کلیم، ص ۳۱ (آزادیٔ شمشیر کے اعلان پر)

۷۵ ۔ ضربِ کلیم، ص ۱۲۳ (جلال و جمال)

۷۶ ۔ ضربِ کلیم، ص ۱۴۳

۷۷ ۔ ضربِ کلیم، ص ۱۷۷

۷۸ - باقیاتِ اقبال ، ص ۳۵ (فریادِ امت)

۷۹ - باقیاتِ اقبال ، ص ۳۵ (فریادِ امت)

۸۰ - باقیاتِ اقبال ، ص ۶۶ (خطِ منظوم)

۸۱ - باقیاتِ اقبال ، ص ۸۱ (عرض بہ جناب حضرت نظام الدین اولیاء)

۸۲ - باقیاتِ اقبال ، ص ۱۳۸ (غزل ۱۹۰۳)

۸۳ - باقیاتِ اقبال ، ص ۱۵۷ (التجائے مسافر)

۸۴ - باقیاتِ اقبال ، ص ۸۱ (عرض بہ جناب حضرت نظام الدین اولیاء)

۸۵ - الزہراؑ از عمر ابو النصر

۸۶ - بخاری شریف ، باب الفضائل اصحاب النبیؐ

۸۷ - بخاری شریف عن سہل ابن سعدؓ

۸۸ - رحمۃ اللعالمین جلد اول ، ص ۳۲۲ ، بحوالہ بخاری شریف

۸۹ - رحمۃ اللعالمین ، جلد دوم ۱۳۳

۹۰ - الزہراؑ (اردو ترجمہ) \ عمر ابو النصر ، ص ۸۶

۹۱ - الزہرا \ عمر ابو النصر \ اردو ترجمہ

۹۲ - رحمۃ اللعالمین جلد دوم ، ص ۳۵

۹۳ - الزہرا \ عمر ابو النصر \ اردو ترجمہ \ ص ۹۴ ، ۹۵

۹۴ - رحمۃ اللعالمین ، جلد دوم ، ص ۱۳۶

۹۵ - رحمۃ اللعالمین ، جلد دوم ، ص ۳۳

۹۶ - الزہرا ، ص ۷۳

۹۷ - الزہرا ، ص ۷۹

۹۸ - صحیح بخاری عن حضرت علیؑ

۹۹ - بخاری شریف

۱۰۰ - مسلم و بخاری

۱۰۱ ـ الزہرا \ عمر ابوالنصر

۱۰۲ ـ الزہرا \ عمر ابوالنصر

۱۰۳ ـ اسرار و رموز (رموزِ بے خودی) ص ۱۷۷ ـ ۱۷۸

۱۰۴ ـ اسرار و رموز (رموزِ بے خودی) ص ۱۸۰

۱۰۵ ـ ارمغانِ حجاز (دختران ملت) ، ص ۳۳

۱۰۶ ـ بالِ جبریل ، ص ۳۸

۱۰۷ ـ الزہرا (بحوالہ بخاری شریف) ص ۷۰

۱۰۸ ـ رحمۃ اللعالمین ، جلد دوم ، ص ۱۳۰

۱۰۹ ـ تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین ندوی

۱۱۰ ـ تاریخ اسلام حصہ اول از شاہ معین الدین ندوی ، ص ۳۸۶

۱۱۱ ـ رحمۃ اللعالمین ، جلد دوم ، ص ۱۳۵

۱۱۲ ـ بخاری شریف ، باب فضائل اصحاب النبیؐ

۱۱۳ ـ بخاری شریف ، باب فضائل النبیؐ

۱۱۴ ـ مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم

۱۱۵ ـ الاستیعاب

۱۱۶ ـ مسلم شریف

۱۱۷ ـ اسرار و رموز ، ص ۱۷۷

۱۱۸ ـ باقیاتِ اقبال ، ص ۸۳

۱۱۹ ـ رحمۃ اللعالمین ، جلد دوم ، ص ۱۳۳

۱۲۰ ـ الحسین \ عمر ابوالنصر \ ص ۵۰ (۱۲۱) ـ الحسین ، ص ۵۲

۱۲۲ ـ الحسین ، ص ۹۵

۱۲۳ ـ شہیدِ اعظم \ ابوالکلام آزاد \ ص ۱۵

۱۲۴ ـ شہیدِ اعظم ، ص ۲۰

۲۵۔ الحسین، ص ۳۱ ۔ ۳۲

۲۶۔ شہیدِ اعظم، ۳۰، ۳۱

۲۷۔ شہیدِ اعظم، ص ۶۱ بحوالہ ابن جریر طبری

۲۸۔ ترجمہ قرآن \ مولانا مولوی شاہ رفیع الدین دہلوی

۲۹۔ سیرتِ اہل بیتِ اطہار (ایک اجمالی جائزہ) \ پروفیسر محبوب علی زیدی،
، ص ۸۱ تا ۸۳

۳۰۔ اسرار و رموز (رموزِ بے خودی)، ص ۳۸

۳۱۔ پیامِ مشرق، ص ۱۸۵

۳۲۔ زبورِ عجم، ص ۴۳

۳۳۔ جاوید نامہ، ص ۲۰۱

۳۴۔ جاوید نامہ، ص ۲۱۸

۳۵۔ ارمغانِ حجاز، ص ۲۳

۳۶۔ بالِ جبریل، ص ۹۳

۳۷۔ بالِ جبریل، ص ۳۵

۳۸۔ بالِ جبریل، ص ۱۵۲

۳۹۔ بالِ جبریل، ص ۱۵۳

۴۰۔ بالِ جبریل، ص ۲۳

۴۱۔ ارمغانِ حجاز، ص ۲۶۲

۴۲۔ باقیاتِ اقبال، ص ۵۷

۴۳۔ باقیاتِ اقبال، ص ۵۷

کتابیات

۱۔ قرآن کریم، مجموعہ وحی منزل من اللہ بر عبدہ و رسولہ سیدنا
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تراجم اردو از ۱۔ مولانا شاہ
رفیع الدین ۔ ۲۔ مولانا شاہ عبدالقادر ۔ ۳۔ مولانا فیروز الدین،
مولانا محمود الحسن و شبیر احمد عثمانی مع تفسیر بر حاشیہ ۔
۲۔ تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ)
۳۔ تفسیر حسینی (فارسی) \ ملا حسین کاشفی
۴۔ تفسیر بیان القرآن \ اشرف علی شاہ تھانوی
۔ تفسیر موضح القرآن \ مولانا سید عبدالقادر شاہ دہلوی
۔ تفسیر حقانی \ محمد عبدالحق حقانی دہلوی
۔ صحیح بخاری \ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری
(تجرید البخاری مع عربی و اردو ترجمہ)
۔ ترمذی شریف \ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (اردو ترجمہ)
مشکوۃ المصابیح \ امام ابو محمد بن مسعود بغوی (اردو ترجمہ)
مشارق الانوار \ مولانا رضی الدین حسن صنعانی
(اردو ترجمہ \ مولانا خرم علی)
سیرت از عبدالملک ابن ہشام (اردو ترجمہ)
زاد المعاد \ حافظ ابن قیم (اردو ترجمہ)

۱۳ـ ارشاد القلوب \ ابو محمد حسن بن ابی الحسن محمد دیلمی
(اردو ترجمہ تذکرہ الیعسوب)
۱۴ـ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۔ شاہ ولی اللہ (اردو ترجمہ)
۱۵ـ رحمۃ للعالمین \ قاضی سلمان منصور پوری
۱۶ـ سیرۃ النبی \ علامہ شبلی نعمانی
۱۷ـ الزہرا \ عمر ابو النصر (اردو ترجمہ)
۱۸ـ الحسین \ عمر ابو النصر (اردو ترجمہ)
۱۹ـ شہید اعظم علیہ السلام \ مولانا ابو الکلام آزاد
۲۰ـ تاریخ اسلام \ شاہ معین الدین ندوی
۲۱ـ تاریخ اسلام \ رشید اختر ندوی
۲۲ـ تاریخ اشاعتِ اسلام \ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی
۲۳ـ اقبالؒ اور حبِ اہل بیت اطہار علیہم السلام \ سید محبوب علی زیدی
۲۴ـ سیرتِ اہل بیت اطہار علیہم السلام (ایک اجمالی جائزہ)
\ پروفیسر سید محبوب علی زیدی
۲۵ـ اسرار خودی (فارسی) \ علامہ اقبالؒ
۲۶ـ رموزِ بے خودی (فارسی) \ علامہ اقبالؒ
۲۷ـ پیام مشرق (فارسی) \ علامہ اقبالؒ
۲۸ـ بانگ درا (اردو) \ علامہ اقبالؒ
۲۹ـ زبورِ عجم (فارسی) \ علامہ اقبالؒ
۳۰ـ جاوید نامہ (فارسی) \ علامہ اقبالؒ
۳۱ـ بال جبریل (اردو) \ علامہ اقبالؒ
۳۲ـ ضربِ کلیم (اردو) \ علامہ اقبالؒ
۳۳ـ ارمغانِ حجاز (اردو و فارسی) \ علامہ اقبالؒ

۳۴۔ باقیاتِ اقبال \ سید عبدالواحد معینی

۳۵۔ اقبال کامل \ مولانا عبدالسلام ندوی

۳۶۔ شاہنامہ (فارسی) \ فردوسی طوسی

۳۷۔ دیوان شمس تبریز (فارسی) \ حافظ شیرازی

۳۸۔ مذہب و شاعری \ ڈاکٹر اعجاز حسین

۳۹۔ فارسی غزل اور اس کا ارتقا۔ \ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی

۴۰۔ موج نور \ سید مسعود الحسن شہاب دہلوی

۴۱۔ قوس عقیدت \ پروفیسر سہیل اختر

۴۲۔ کلام مطلوب \ پروفیسر سید مطلوب علی زیدی مطلوب (قلمی مسودہ)

تمت بالخیر بعون اللہ تبارک و تعالیٰ

اقبالؒ اور حبِّ اہلِ بیتؑ اطہار

از

سید محبوب علی زیدی الواسطی سیوباروی

ایم۔ اے (فارسی)، ایم۔ اے (اردو)، ایم۔ او۔ ایل (فاضل)

ڈبلیو۔ پی۔ ای۔ ایس (II)

صدر شعبۂ اردو۔ گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج۔ علی پور (ضلع مظفر گڑھ)

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

Rs. 1 6 0